ناولٹ

صائمہ اقبال

راہ تکتا ہے شہرِ جاناں

میٹنگ روم خالی ہو چکا تھا جب وہ اپنے خیالات سے چونکی بھائیں بھائیں کرتا وسیع ہال نما کمرہ ادھر ادھر پڑی بے ترتیب کرسیوں کی بدولت کافی ابتر حالت میں تھا۔ سوچوں میں گم اسے میٹنگ کے ختم ہونے کا احساس ہی نہ ہو سکا تھا اور نہ ہی کسی نے اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی وہ بیگ اٹھا کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی کاریڈور کے سرے پر آ گئی، جہاں رضیہ اور لیاقت دیوار کے ساتھ جھاڑو کھڑی کیے باتوں میں مصروف تھے۔ رضیہ کا باقی کا دن میٹنگ روم کی صفائی میں گزرنے والا تھا۔

"مس جی تسی جا رہے ہو۔ مس رباب نے کہا تھا انہیں ساتھ لے کر جانا۔"

رضیہ نے اسے رباب کا پیغام دیا اور باتوں میں مگن ہو گئی۔

رباب کیمسٹری لیب میں مصروف تھی۔ اس نے کمرے کا رخ کیا۔

"اندر بیٹھو پانچ منٹ بعد چلتے ہیں۔"

وہ پھر مصروف ہو چکی تھی۔

گھنے درختوں سے گھری اس سڑک سے گزرنا اسے ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔ چمکتی دھوپ میں وسیع و عریض لان خالی تھا۔ اکا دکا لڑکیاں گیٹ پر کھڑی تھیں۔ گیٹ کراس کر کے وہ سڑک پر نکل آئیں۔

گھر میں اداسی، خاموشی اور ٹھنڈک نے ان کا استقبال کیا تھا اسی لیے کالج میں وقت گزارنا اسے پسند تھا کیونکہ گھر آتے ہی ایک بے نام اداسی اسے گھیر لیتی۔ اگرچہ کالج سے نکلتی لڑکیوں کو دیکھنا بھی کچھ ایسا آسان نہ تھا مگر...... گھروں کو جاتی لڑکیوں کو دیکھ کر اسے گھر، سکون، ماں اور بہت کچھ یاد آجاتا۔

حال ہی میں اس کی پوسٹنگ بطور لیکچرار فیصل آباد ہوئی تھی۔ اس کی سوچوں کے برعکس کالج کافی بڑا اور صاف ستھرا تھا۔ کالج کی واحد خامی ہاسٹل کا نہ ہونا تھا، جس کی بدولت دوسرے شہروں سے آئی لیکچرارز کو کالج سے کچھ دور ایک گھر لے کر رہنا پڑ رہا تھا گھر میں کل تین کمرے، کچن، باتھ روم اور صحن تھا ایک کمرہ وہ رباب اور فریدہ شیئر کر رہی تھیں۔ رباب کا تعلق بہاولپور کی زمین دار فیملی سے تھا، پڑھاتی تو وہ کیمسٹری تھی مگر ادب سے گہرا لگاؤ رکھنے کی بنا پر اس کی باتوں سے ادب سے وابستگی ظاہر ہوتی۔ فریدہ لاہور سے تعلق رکھتی تھی۔ بہت حد تک موڈی تھی دل چاہتا تو بہت سی باتیں کرتی ورنہ بالکل چپ رہتی، چونکہ شادی شدہ تھی اور میاں کی جاب لاہور ہی میں تھی اس لیے گھر کچھ زیادہ ہی یاد آتا۔ دوسرا کمرہ فرزین اور حمیرہ کے استعمال میں تھا۔ فرزین لاہور کی اور حمیرہ ملتان کی تھی۔ فرزین کو بہت بولنے اور تنقید کی عادت تھی۔ حمیرہ عام طور پر خاموش رہتی۔ اس کا زیادہ رجحان پڑھنے کی طرف ہوتا اپنے اسٹوڈنٹس کے لیے بہت حساس تھی اس لیے نوٹس لکھنے میں مگن رہتی، جنہیں فریدہ نے تعویذوں کے نام سے موسوم کیا تھا (کیونکہ وہ بہت چھوٹا لکھتی تھی)

تیسرا کمرہ رافعہ کے پاس تھا، جو کافی سینئر تھیں کبھی کبھار ہی یہاں رہتیں، زیادہ وقت وہ اپنی دوست کے گھر گزارتیں جو کالج کے قریب ہی رہتی تھی۔

فرزین اور حمیرہ کے کمرے کا ایک دروازہ آنٹی طاہرہ کے کمرے میں کھلتا تھا ان کا گھر تو بالکل علیحدہ تھا مگر دروازے کی بدولت دونوں گھروں کا تعلق تھا۔ آنٹی طاہرہ بالکل اکیلی ہوتی تھیں ان کا ایک ہی بیٹا تھا جو کسی دوسرے شہر میں جاب کرتا تھا اس لیے درمیانی دروازہ ہر وقت کھلا رہتا۔

اس گھر کو انہوں نے ہاسٹل کا نام دے دیا تھا۔ یہاں سامان نہ ہونے کے برابر تھا۔ "منجیوں" سے مزین بڑے بڑے کمرے، سیلن زدہ در و دیوار، اکھڑے فرش اور کھڑ کھڑ چلتی موٹر اس ہاسٹل کی کل کائنات تھی۔

اس کالونی کی ساری سرگرمیوں کا مرکز شاید ان کا دروازہ ہی تھا۔ صبح ہی صبح اسکول وین کے ہارن بجنا شروع ہو جاتے دروازے کے ساتھ موٹر سائیکل ورکشاپ، پر موٹر سائیکلوں کی پھٹ پھٹ آوازیں الارم کا کام باخوبی سرانجام دیتیں۔ بالکل سامنے ایک میوزک سینٹر تھا جو صبح نعت سے آغاز کرنے کے بعد

"سانوں اک پل چین نہ آئے" کی تفسیر بنا سارا دن سڑک اور ان کے ہاسٹل کے در و دیوار کو ہلانے میں مصروف نظر آتا۔ میوزک سینٹر کے بائیں طرف پراپرٹی ڈیلر جو صبح سویرے جھاڑو پونچھا کرنے کے بعد بابو بنا سارا دن کرسی توڑا کرتا۔

ان جیسی نازک طبع استانیوں کے لیے یہ جگہ کچھ خاص مناسب تو نہ تھی "استانیاں" ان کے دودھ والے کا دیا ہوا خاص نام تھا، جو ماہانہ بل کے پیچھے "جلی" حروف میں لکھا ہوتا یقیناً" دوسرے لوگ بھی انہیں اسی نام سے جانتے اور یاد کرتے تھے ہاں سیکیورٹی کے پوائنٹ آف ویو سے یہ گھر، گھروں میں گھرا ہونے کی بدولت اچھا تھا ہر چیز قریب ہی دستیاب ہو جاتی وقت بے وقت کسی چیز کی ضرورت پڑنے پر ورکشاپ کے چھوٹے ان کے لیے دوڑ دوڑ کر کام کرتے۔

شام اس کی آنکھ کھلی تو ہر طرف اندھیرا گھرا ہو چکا تھا روزمرہ کے کام نبٹانے کے بعد وہ اپنی کتابیں اٹھا کر آنٹی کی طرف آ گئی۔ آنٹی کے کمرے میں ٹی وی دیکھنا ان کی شام اور رات نو بجے تک کی تفریح تھی، جس سے سب ہی وقتاً" فوقتاً" فیض یاب ہوتے۔ آٹھ بجے کا ڈرامہ سب اکٹھا ہی دیکھا کرتیں۔ ساتھ ہی ساتھ زور و شور سے تبصرے بھی ہوتے رہتے۔ اس تفریح کا خراج آنٹی بہت جلد وصول کر لیتی تھیں وہ ابھی تک آنٹی کا ناپسندیدہ کھانا تلاش کرنے میں ناکام تھیں ان کے یہاں جو بھی پکتا فوراً" آنٹی کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔ اکیلی ہونے کی وجہ سے آنٹی کسی بھی قسم کا تردد کرنے کو بالکل تیار نہ ہوتی تھیں۔

"بیٹا کندھے تو دبانا ذرا، آج بہت درد ہے۔"

آنٹی نے اسے ہی مخاطب کیا تھا وہ کتابیں چھوڑ کر آنٹی کے کندھے دبانے لگی۔ وہ سب سے آسان شکار تھی، جسے آنٹی بڑی جلدی قابو کرنا جانتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اس کے والد مامون الرحمٰن کا تعلق ایسے لوگوں سے تھا جو زندگی ایک دائرے میں گزارنے کے عادی ہوتے ہیں۔ کوشش اور محنت کا عمل دخل ان کی زندگی میں بالکل نہ تھا۔ تعلیم بھی واجبی سی تھی، جسے انہوں نے بہت جانا اور ساری زندگی گورنمنٹ کے ادارے میں نوکری کر کے ریٹائر ہوئے۔ اس کی ماں خود تو تعلیم یافتہ نہ تھی مگر بچوں کو پڑھانے کا شوق جنون کی حد تک تھا، اس لیے سارے بہن بھائی پڑھ رہے تھے۔ سب سے بڑی ثمرین جس کی شادی ماموں زاد آفاق سے ہوئی تھی اور اس کے دو بیٹے معیز اور معاذ تھے۔ اس سے چھوٹی فاطمہ جو ایم اے انگلش کے بعد پرائیویٹ اسکول میں پڑھا رہی تھی پھر وہ یعنی زیمان جو ایم اے انگلش کے بعد حال ہی میں فیصل آباد آئی تھی۔ عمر بی ایس سی کر رہا تھا اور سب سے چھوٹا عثمان ایف اے کا اسٹوڈنٹ تھا۔ اس کی ماں ایک سمجھ دار گھریلو خاتون تھیں جو کم آمدنی میں بھرے پرے کنبے کا خرچ چلا رہی تھیں۔ ماضی میں ان کی جھڑپ کئی بار رحمٰن صاحب سے ہو چکی تھی۔ بیٹے ابھی کمانے کے لائق نہ تھے اور بیٹیوں کا بوجھ سر پر دھرا تھا۔

"روحنہ پارٹی دے رہی ہے، سوٹ سلوا لو۔"

اسٹاف روم میں قدم رکھتے ہی ناصرہ کی چہکتی آواز سنائی دی۔ ناصرہ حسب معمول اردگرد جم گھٹا لگائے چائے پینے میں مشغول تھی "ٹی گروپ" کی آوازیں اسٹاف روم سے باہر بھی سنی جا سکتی تھیں۔

"آج لیٹ آئی ہو کلاس نہیں تھی؟"

منیرہ ابھی کلاس لے کر آئی تھی۔ پوچھ بیٹھی۔

"ہاں، آج کلاس نہیں تھی۔"

مختصراً" جواب دے کر کرسی پر آ بیٹھی۔ اس کی کلاس ساڑھے آٹھ بجے شروع ہوتی تھی۔ اس لیے اس طرح کے نوابانہ ٹھاٹھ دکھانے کا موقع کبھی کبھار ہی میسر آتا۔

"گھر بات ہوئی تھی؟ سب ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں اللہ کا شکر ہے، امی تم لوگوں کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔"

"اس ہفتے گھر جانے کا ارادہ ہے یا نہیں۔"

"شاید چلی جاؤں۔"

لاہور قریب تو نہ تھا مگر پھر بھی ہر ہفتے گھر جانا اسے پرسکون کر دیتا۔

"ایک تو میں تمہاری اس ہوں سے بہت تنگ ہوں۔"

منیرہ شاید اس سے کچھ پوچھ رہی تھی جس کا جواب اس نے بے دھیانی میں ہوں دیا تھا۔ اس کا تپ جانا لازمی امر تھا۔

"اپنے فلسفیانہ و نادر خیالات سے باہر نکل کر کبھی بے چارے نمانے لوگوں کو بھی سن لیا کرو فلسفی صاحبہ، آئندہ آپ کا نام ہی سنہری اوراق کی زینت بننے والا ہے ہمیں معلوم ہے۔"

منیرہ کی لفاظی پر اس کے ہونٹوں کی تراش میں بڑی خوب صورت مسکراہٹ چمکی۔

"اچھا تم بتاؤ وہ لوگ دوبارہ آئے یا نہیں۔"

آج کل منیرہ کے رشتے کی بات چل رہی تھی اور منیرہ حسب سابق ناامید ہی تھی۔

"ہاں آئے تھے، مگر ابو کو کچھ زیادہ پسند نہیں آئے۔"

"کیوں؟"

"کہتے ہیں خاندان کو چھوڑ کر باہر رشتہ کر دوں مجھے عقل مند کون کہے گا۔"

منیرہ کی پھپھو منیرہ اور سفیرہ کا رشتہ لینا چاہتی تھیں۔ سفیرہ، منیرہ سے چھوٹی اور ڈاکٹر تھی۔ ڈاکٹر کا رشتہ نکھٹو بیٹے کے لیے اور منیرہ کے لیے کیپٹن کا رشتہ تھا مگر ایک بیٹی کی قربانی دے کر دوسری کے لیے اچھا بر تلاشنا کہاں کی عقل مندی تھی۔

"منہ سے تو کچھ نہیں کہتے مگر چاہتے یہی ہیں کہ امی خود سفیرہ ہاں کر دے مگر امی نے سفیرہ کو سختی سے منع کر رکھا ہے اور پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بہن کی زندگی تباہ کر کے میں سیج سجا لوں۔"

منیرہ کو دل کے پھپھولے پھوڑنے کا موقع ملا تھا وہ بھی خاموشی سے سنتی رہی۔ منیرہ کی ناامید آواز پر اداسی غالب آنے لگی۔ اسے جاب کرتے تین سال ہونے والے تھے اور اس کے ابا کا رویہ ایسا ہی غیر سنجیدہ تھا۔ بہن کی محبت کی ایسی پٹی آنکھوں پر بندھی تھی کہ ان کا خود غرضانہ رویہ نظر ہی نہ آتا۔

"امی سے بات کیوں نہیں کرتی ہو۔"

زیمان کے کہنے پر اس نے جلتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ لہجہ خود بخود تلخ ہو گیا۔

"کیا بات کروں ان سے، ان کی سنتا کون ہے۔"

منیرہ اسی شہر کی رہنے والی تھی اس کے حالات بھی تقریباً" زیمان جیسے تھے اس لیے دونوں جلد ہی قریب آ گئی تھیں۔

"مس جی! آپ کو میڈم بلا رہی ہیں۔"

فرحت پیغام دے کر جا چکی تھی۔ وہ بھی بات سننے کو چل دی۔

☼ ☼ ☼

آنٹی کی بنتی بھی سب سے زیادہ فرزین کے ساتھ تھی اور فرزین کے چھیڑنے پر آنٹی ناراض بھی بہت جلدی ہو جایا کرتی تھیں۔ آج فرزین نے فروٹ ٹرائفل بنایا تھا اور سب کے منع کرنے کے باوجود اسے زیمان لوگوں کے کمرے میں فریدہ کی چارپائی کے نیچے چھپا دیا تھا۔

"جب آنٹی سو جائیں گی تب کھائیں گے۔"

آنکھیں گھما کر اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ سب کو ہنسی آ گئی۔

"اگر آنٹی کو پتا چل گیا تو ذمہ داری آپ کی ہوگی۔"

"میری کیوں؟ سب کی ہوگی۔"

"کیوں حمیرہ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں۔"

فرزین نے سوالیہ انداز سے حمیرہ کی جانب دیکھا جو بالکل بھی شرارت کے موڈ میں نہ تھی۔

"نہیں ہم کوئی ذمہ داری نہیں لے رہے اگر کچھ ہوا تو تم ہی سننا تم نے چھپایا ہے۔"

"بھئی ہم سے تو آنٹی کی ناراضگی سہی نہیں جاتی۔"

ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے کتاب پڑھنے میں مگن رباب بولی تھی۔

"آنٹی کی سواری بادِبہاری اسی طرف آ رہی ہے۔" فریدہ نے اطلاع فراہم کی کیونکہ اس کی چارپائی دروازے کے بالکل سامنے تھی۔ سب مصروف نظر آنے کی ناکام کوشش کرنے لگیں۔

"کیا ہو رہا ہے آج کوئی ٹی وی دیکھنے نہیں آیا میں نے سوچا دیکھوں کیا کر رہی ہیں۔"

آنٹی کا جسم بھاری تھا اس لیے چلنا پھرنا ان کے لیے آسان نہ تھا۔

"کچھ بھی نہیں آنٹی باتیں کرتے کرتے وقت کا احساس ہی نہیں ہوا۔" فریدہ نے بات بنائی۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے' کیا کرتی رہیں سارا دن۔"

"طبیعت ٹھیک ہے۔ زیرک (آنٹی کا بیٹا) کے ماموں آئے تھے۔ وہی ٹال مٹول' کاروبار میں رقم لگائی ہے یک دم کاروبار سے نکالی نہیں جا سکتی۔ اس کے پاس سو بہانے ہیں مجھے ٹالنے کے' لگتا ہے بیٹے کی خوشیاں دیکھے بغیر ہی رخصت ہو جاؤں گی۔"

آنٹی کا حساس ہونا سب کو ہی پریشان کر گیا تھا۔ آنٹی کے شوہر عرصہ ہوا انتقال کر چکے تھے۔ آنٹی کی خوددار طبیعت نے بھائیوں پر بوجھ بننا گوارا نہ کیا کیونکہ بھابھیاں نندیں بھی تھیں۔ شوہر کی ملازمت سے ملنے والی رقم بھائی کو کاروبار میں لگانے کو دی تھی اب ضرورت پڑنے پر مطالبہ کر بیٹھی تھیں عرصہ دو سال سے بھائی کی ٹال مٹول جاری تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ بہتر کرے گا۔"

"میرے بعد زیرک خان کا کیا ہو گا۔ آج کل کوئی کسی کا نہیں بنتا۔ بھائی تو میرے جیتے جی رقم دینے پر راضی نہیں۔ میرے مرنے کے بعد......"

خاموشی کا ایک طویل وقفہ تھا جو سب کے درمیان رینگ آیا تھا اس خاموشی کو فرزین کی آواز نے ہی توڑا۔

"آنٹی آپ ٹی وی لگائیں' ہم سب وہیں آ رہے ہیں' آج ہم نے بڑی اچھی سویٹ ڈش بنائی ہے۔ دیکھتے ہیں کیسی بنی ہے۔"

فرزین کا غصہ شرارت بس اتنی ہی دیر کا ہوتا تھا سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کتابیں اٹھا کر آنٹی کے پیچھے چل دیں۔

☼ ☼ ☼

"بھا معین الدین نے اشاروں کنایوں میں فاطمہ کے لیے سوال کیا ہے۔"

"پھر۔"

"یہی تو پوچھ رہا ہوں کیا جواب دوں۔"

مامون الرحمٰن بھی کون سا تحمل سے بات کہنے کے عادی تھے۔ ثریا بیگم کو بات سن کر غصہ تو بہت آیا تھا' مگر ضبط کر گئیں۔

"سوال کرنے سے پہلے سوچ تو لیتے' بیٹے ان کے ان پڑھ اور پھر گاؤں میں کیسی شہرت ہے ان کی' آپ سے بہتر کون جانتا ہے ہر پریشانی آپ ہی تو حل کرتے ہیں نا جا کر۔"

بغیر لگی لپٹی کے ان پر واضح کرتے ان کا لہجہ طنزیہ ہو گیا' ہر بار کی طرح اس بار بھی گاؤں سے واپسی پر انہیں بھا معین اور ان کی اولاد کا اور ان کی محبت کا بخار چڑھا تھا۔

"بھا معین کی خواہش اگر اتنی ہی شدید تھی تو کیوں نا بیٹوں پر سختی کی' ان کی تربیت ہی کچھ اچھی کی ہوتی تو یہ دن تو نہ دیکھنے پڑتے۔ سارے جہان کے نکمے' آوارہ کوئی بھی اپنی بیٹی دینے پر تیار نہیں۔"

ان سے کچھ بھی چھپا ہوا نہ تھا۔

"تو میں کون سا ہاں کر آیا ہوں۔ پوچھ ہی تو رہا ہوں تم سے اور تم آگے سے دس سوال جواب تیار کر کے بیٹھی ہو' کبھی جو اس عورت نے میری سنی ہو۔ ہمیشہ اپنی کرتی ہے۔ زندگی تباہ ہو گئی میری۔ پہلے بھی اپنی مرضی کرتی ہو اب بھی کر لینا' مجھ سے کچھ نہ پوچھنا اب' ہاں شامل ضرور ہو جاؤں گا باپ کی طرح۔"

انہیں غصہ پتا نہیں کس بات کا تھا' ذہنی رو بہک کر کہاں سے کہاں جا پہنچی تھی۔ ثریا بیگم کا بولنا انہیں اور تاؤ دلا گیا تھا۔ ایسی جھڑپیں ان کے لیے کوئی نئی بات

نہ تھیں۔ مامون الرحمٰن کی مرضی کے خلاف کچھ ہوتا تو آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ اپنے رشتہ داروں کے آنے پر اور بھی شیر ہو جاتے۔ بات بے بات۔ بچوں اور بیوی کی بے عزتی ان کے لیے عام سی بات تھی۔ ریٹائر ہونے پر لڑائیوں میں اضافہ ہی ہوا تھا۔ ماں باپ کی لڑائیوں نے بچوں کو وقت سے پہلے باشعور کر دیا تھا۔ انہیں اپنے حوصلے و برداشت پر حیرت ہوتی۔ روز روز کی لڑائیوں نے انہیں سنجیدہ بنا دیا تھا۔ عثمان کی چلبلی طبیعت اس کی کم عمری کی بدولت تھی' جو زندگی کی نزاکتوں کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

ثریا بیگم کا ایک بھائی اور بہن کے سوا دنیا میں کوئی نہ تھا۔ بھائی کی تین اولادیں' دو بیٹیاں اور ایک بیٹا آفاق تھا' جس سے ثمرین کی شادی ہوئی تھی اور بہن کی تین بیٹیاں نمرہ' ثمرہ اور حمرہ تھیں۔

مامون الرحمٰن کے تین بھائی اور ایک بہن تھی' معین الدین ـــــــــ برہان الدین اور فرید الرحمٰن اور صفورہ' معین الدین کے دو بیٹے انس اور مونس تھے جو تھوڑی بہت زمینوں کے زعم میں بالکل پڑھ نہ پائے تھے' برہان الدین کا ایک بیٹا اور بیٹی تھی فرید الرحمٰن بے اولاد تھے' صفورہ چار بیٹیوں کی ماں تھیں۔

☼ ☼ ☼

ہفتے کے روز ہاسٹل میں افراتفری کا سماں ہوتا۔ کالج جانے سے پہلے سامان کی پیکنگ اور پیریڈ ختم ہونے پر گھروں کو جانے کی جلدی ہوتی۔ حمیرہ اور رباب دو تین ہفتوں بعد گھر جاتیں البتہ فریدہ' نریمان اور فرزین کا چکر ہر ہفتے لگتا فریدہ کو جانے کی جلدی تھی اس لیے دوسرا پیریڈ لیتے ہی چلی گئی تھی فرزین اور نریمان کو اکٹھے جانا تھا۔

"نریمان میڈم نے مجھے بی اے کے امتحانات میں انٹرنل کی ڈیوٹی دی ہے۔ پیپر پیر سے شروع ہو رہے ہیں۔ پیر کو مجھے بہت جلدی کالج آنا ہو گا اس لیے اگر میں گھر نہ جاؤں تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

فرزین کے بتانے پر اسے اکیلے ہی آنا پڑا' ہر ہفتے کی طرح بہت رش تھا کوچ کے انتظار میں کھڑے ہونا اسے کوفت میں مبتلا کرنے لگا مجبوراً" وین کا رخ کیا سب سے آخری سیٹ پر تین عورتیں بیٹھی دیکھ کر اس نے شکر کا کلمہ پڑھا۔

باہر کے نظاروں میں محو' اردگرد سے بے نیاز' اچانک اس کے چہرے سے کوئی چیز ٹکرائی تھی۔ سراسیمہ ہو کر ادھر ادھر دیکھا' اگلی سیٹ پر بیٹھے لڑکے نے بیگ زور سے پیچھے کیا تھا جو اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ وہی لڑکا اب بار بار پیچھے دیکھ کر کچھ گا بھی رہا تھا اسے پریشانی ہونے لگی۔ ساتھ بیٹھی لڑکی نے اس کی پریشانی دیکھتے اسے جھڑک دیا تھا۔

"سیدھے ہو کر بیٹھو فضول حرکتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس کی آنکھوں میں لڑکی کے لیے ممنونیت کی نمی جاگی اس نے اب غور کیا تھا وہ لڑکی بھی اس کی طرح اکیلی تھی۔ وہ شکریہ ادا کرنے کے لیے لفظوں کو ترتیب دے ہی رہی تھی کہ وہ پوچھنے لگی۔

"لاہور جا رہی ہو۔"

"جی۔"

"کیا نام ہے' پڑھتی ہو۔"

"نریمان' پڑھاتی ہوں کالج میں۔"

"ویری اسٹرینج۔" تم تو خود ابھی اسٹوڈنٹ لگتی ہو' لگتا ہے بالکل نئی پوسٹنگ ہے۔"

وہ لڑکی بہت باتونی تھی اتنی دیر سے خدا جانے کیسے چپ تھی اب جو بولنے پہ آئی تو اگلا پچھلا سب حساب برابر کر دیا۔ اس کے بہن بھائیوں سے ہوتی بات اس کے خاندان اور پھر سہیلیوں تک پہنچ چکی تھی۔ اسے بھی پوچھنا پڑا۔

"تم آپ کیا کرتی ہیں۔"

"میں اسکول میں پڑھاتی ہوں۔ میکا میرا شاہ پور (فیصل آباد) میں ہے اور سسرال لاہور میں' اسکول بھی چونکہ فیصل آباد میں ہی ہے اس لیے ویک اینڈ پر تمہاری طرح یہاں سے وہاں جانا پڑتا ہے سارے ہفتے کے کام میرے منتظر ہوتے ہیں ایک بھائی اور دو بہنیں

ہیں ہم۔۔ بہن اسلام آباد میں بیاہی ہے۔ بھائی لاہور میں ایڈووکیٹ ہے۔ امی شاہ پور چھوڑنے کو تیار نہیں۔"

ایک ہی سانس میں ساری معلومات فراہم کردی تھیں اس باتونی لڑکی نے۔ اس کی بدولت سفر اچھا کٹ گیا تھا۔

گھر پہنچ کر ہر بار کی طرح خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔

"امی آپ کچھ کمزور لگ رہی ہیں۔"

"نہیں ٹھیک ہوں' بلڈ پریشر کچھ زیادہ رہنے لگا ہے۔"

"ثمرین باجی اور بچے ٹھیک ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہیں آج یا کل چکر لگائیں گے۔"

"آج میں نے تمہارے لیے بریانی پکائی ہے وہاں کچھ کھاتی ہو یا نہیں؟ مجھے تو ہر وقت فکر لگی رہتی ہے دیکھو اتی سی شکل نکل آئی ہے۔ ہاتھ میں چیز دو تو کھاؤ گی ورنہ پڑی سڑتی رہے' وہاں بھی ایسا ہی کرتی ہو گی۔"

امی کو اس سے کھانے پینے کے معاملے میں ہمیشہ شکایت ہی رہتی۔ وہ کھانے پینے کے معاملے میں ایسی ہی تھی۔

"آپی دیکھیں ہماری ٹیم کو ٹرافی ملی ہے اور ٹیم کا کیپٹن آپ کے سامنے ہے۔"

اس نے اکڑتے ہوئے کالر کھڑے کیے۔ عثمان کی خوشی دیدنی تھی۔

"اس خوشی میں ایک پارٹی ہونی چاہیے۔"

عثمان کا ہنستا مسکراتا چہرہ شرارت لیے ہوئے تھا۔

"ہاں ہاں ضرور ہونی چاہیے۔"

فاطمہ اور عمر نے بھی تائید کی تھی۔

"عثمان کہاں پارٹی دے رہے ہو۔"

یہ عمر تھا جو عثمان کو گھیرنے کی کوشش میں تھا۔

"پارٹی تو آپ لوگ دے رہے ہیں اپنے ہینڈسم اور اسمارٹ کیپٹن کو جس نے چالاکی اور ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسری ٹیم کو ناکوں چنے چبوائے ہیں۔"

"واہ جی واہ! ہم کوئی پارٹی نہیں دے رہے' اپنے منہ میاں مٹھو بننا تو کوئی آپ سے سیکھے۔"

عمر بھی اسے زچ کرنے کے پورے ہتھیاروں سے لیس تھا۔

"پارٹی میری طرف سے ہو گی۔"

فاطمہ نے عثمان کی مشکل حل کی تھی۔

"یاہو!"

عثمان نے نعرہ لگایا اور چارپائی پر دھپ سے امی کے پاس گر گیا۔ اتوار کی رات اسے اداس کر رہی تھی۔ دو دن گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔ صبح اسے روانہ ہونا تھا۔ نیم تاریک ٹیرس پہ پڑی اکلوتی کرسی پر بیٹھی وہ اندھیرے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جب امی اس کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔

"تم یہاں بیٹھی ہو میں کمرے میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

ان کے ساتھ چلتی وہ کمرے تک آئی۔

"آفاق نے فاطمہ کے لیے پروپوزل بتایا ہے لڑکا اس کے ساتھ ہی ہوتا ہے' ایم اے اکنامکس کیا ہے۔ دو بہنیں اور دو بھائی ہیں اچھی فیملی ہے۔ تمہارے ابا کو بھی پسند آئے ہیں۔"

اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"ہاں۔ وہ لوگ رسم کرنا چاہتے ہیں اور جلدی شادی کے لیے کہہ رہے ہیں۔"

"اگر لوگ اچھے ہیں اور آپ کو پسند بھی ہیں تو دیر کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔"

بہت دنوں بعد خوشی کی خبر سنی تھی۔ وہ بہت خوش تھی' ثمرین کی شادی کے بعد آٹھ نو سال کا عرصہ انہوں نے پریشانیوں میں گزارا تھا ابا کو کوئی رشتہ پسند ہی نہ آتا تھا۔ اپنے خاندان سے باہر نکلنا انہیں پسند نہیں تھا اور پھر تایا کی محبت انہیں فیصلہ کرنے سے روکتی۔

"امی' ابو راضی کیسے ہو گئے۔"

"آفاق نے بات کی تھی۔ بڑا سمجھ دار لڑکا ہے کہہ رہا تھا ایسے اچھے رشتے بار بار نہیں آتے' پہلے ہی دیر ہو چکی ہے اگر خاندان میں کوئی ہوتا تو باہر نکلنے کی ضرورت کیا تھی اچھے لوگوں کو آزمانے میں حرج بھی

ہے۔"

اس کی وہ ساری رات خوش آئند تصورات کے ساتھ گزری۔

✼ ✼ ✼

"زیمان مجھے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔"

"کیا۔" وہ بالکل نہ سمجھی اس لیے ناسمجھی کی کیفیت کا اظہار کر ڈالا۔

"اس ہفتے کے چکر نے تمہاری طبیعت پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا ہے تمہارے شنگرفی ہونٹوں کی مسکراہٹ' گالوں کی سرخی' غلافی آنکھوں میں سوچ کا ہلکورے لیتا عکس کچھ اور ہی کہانی سنا رہے ہیں اب پھوٹ چکو' ورنہ فریدہ اور فرزین کو اشارہ کرنا ہی کافی ہو گا۔"

اس کی مسکراہٹ نے رباب کے شوق کو اور مہمیز کیا۔

"دیکھو میں کہہ رہی ہوں جلدی بتا دو ورنہ۔"

رباب اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے پہ مصر تھی اسے بتاتے ہی بنی' ورنہ وہ دروازے میں کھڑی فرزین کو آواز دینے کے لیے پر تول رہی تھی۔

"فاطمہ آپی کی بات پکی ہو گئی ہے۔"

"دھت تیرے کی۔"

"کھودا پہاڑ نکلا چوہا' ویسے خبر یہ بھی کم نہیں۔"

"تمہاری خوشی کی وجہ بھی سمجھ آ رہی ہے اب نمبر تمہارا ہی ہے نا۔"

"اس کی معنی خیز ہنسی اسے بہت بھلی لگی تھی۔

"بس بندے کو مایوس نہیں ہونا چاہیے اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے ضرورت صرف صبر اور شکر کی ہے' جسے نظر انداز کر کے ہم تفکرات میں گھرے رہتے ہیں۔"

آہستہ آواز میں بولتی وہ مثبت طرز فکر کو اجاگر کر رہی تھی اس کا سوچنے کا انداز ہمیشہ سے ایسا ہی تھا مگر ہر بشر کے ساتھ وابستہ شر کی بدولت' کچھ عرصہ سے ناامیدی کے اندھیرے میں گم تھی۔

"آج دروازہ کس خوشی میں بند ہے۔"

خلاف توقع آنٹی اور فرزین لوگوں کے کمرے کا درمیانی دروازہ بند دیکھ کر اسے حیرت کے ساتھ پریشانی نے آ گھیرا۔ آنٹی دل کی مریضہ تھیں اور رات چاول انہوں نے کچھ زیادہ کھا لیے تھے۔

"زیرک خان آیا ہوا ہے۔"

مختصر جواب دے کر حمیرہ پھر تعویذ لکھنے میں محو ہو گئی تھی۔

"اس کا مطلب آنٹی آج حجرے سے باہر نکلنے والی نہیں۔"

کپڑے دھوتے دھوتے فرزین کسی کام سے اندر آئی تھی ہاتھوں پر ابھی بھی سرف لگا تھا۔ بیٹے کے آنے پر آنٹی کا دروازہ اسی طرح بند ہو جایا کرتا ہے۔

"کیوں نہ نگہت کی طرف چکر لگایا جائے عائشہ بہت یاد آ رہی ہے۔"

نگہت ان کی کولیگ اور عائشہ اس کی پانچ سالہ بیٹی تھی۔

"مجھے تو معاف ہی رکھو مجھے بہت کام کرنا ہے۔"

فرزین کو ٹکا سا جواب دے کر حمیرہ نے اپنا چشمہ درست کیا اور تعویذ لکھنے لگی۔

✼ ✼ ✼

"سارے کام میرے لیے ہی رکھ چھوڑے ہیں۔ دونوں نکمے پتا نہیں کہاں آوارہ گردی کر رہے ہیں اکیلا میں کس طرح بھاگوں۔"

ہمیشہ کی طرح ابا کا غصہ عروج پر تھا۔ عمر اور عثمان بھی بھاگ دوڑ کر رہے تھے مگر بول بول کر انہوں نے سب کے ہاتھ پیر پھلا دیے تھے۔ آفاق بھائی بھی ساتھ ساتھ تھے۔ شادی والے گھر سو طرح کے کام تھے کبھی ادھر سے آواز پڑتی اور کبھی ادھر سے۔ معین الدین بھی شادی میں شریک ہوئے تھے مگر چہرے پر چھائی گمبھیرتا دیکھ کر احساس ہوتا کہ خوشی کے ساتھ شریک ہونے کے بجائے دنیا دکھاوے کو شریک ہیں جو بھی تھا یہی شکر تھا کوئی بدمزگی نہ ہوئی تھی۔

تیمور بھائی آف وائیٹ شیروانی میں اپنے نمایاں قد کے ساتھ جچ رہے تھے۔ ریڈ اور رج کنٹراسٹ میں فاطمہ آپی پر غضب کا روپ آیا تھا۔

آپی 'تیمور بھائی کے ساتھ بہت خوش تھیں کئی بار گھر آچکی تھیں ایک نند شادی شدہ 'ایک دیور اور نند غیر شادی شدہ تھے۔ آپی کی نند کے ساتھ اس کی اچھی دوستی ہو گئی تھی تبریز (دیور) کے ساتھ بہت کم آنا سامنا ہوا تھا سلام دعا سے زیادہ بات چیت اسے خود بھی پسند نہ تھی۔

زندگی روٹین کے مطابق رواں دواں تھی۔ امی کے وظائف میں شکرانے کے نوافل بھی شامل ہو گئے تھے بیٹی کے فرض سے فراغت نے ان کی بہت سی بیماریوں کو ختم کر دیا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھیں۔

آج بہت دنوں بعد وہ چھت پر آئیں۔ ہاسٹل کے پیچھے کافی بڑا رقبہ خالی پڑا تھا۔ ہاسٹل کے سامنے کا شور شرابا پیچھے بالکل ختم ہو جاتا۔ آسمان پر اکا دکا بادل ہوا سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ سبک روی سے چلتی ہوا فرحت بخش تھی کتنی ہی دیر نریمان اور رباب ڈوبتے سورج کا نظارہ کرتی رہیں۔

"نریمان تم نے کبھی محبت کی ہے۔"

ڈوبتے سورج پر نظریں جمائے سنجیدہ لہجے میں کیا گیا سوال اسے ٹھٹھکا گیا۔ نریمان کی نگاہیں اس کے چہرے پر ٹک گئی تھیں، جہاں شفق کی سرخی اس کے چہرے کو ایک انوکھا روپ بخش رہی تھی۔ کیا تھا اس کے چہرے پر جس پر نظریں جمائے کتنی دیر اسے تکتی رہی تھی۔ اس کے چہرے سے نظر ہٹا کر اس نے سامنے مڑتی سڑک کو دیکھا۔

"نہیں۔"

"کیا محبت کے لیے اظہار ضروری ہے ؟"

اپنی سوچوں میں مگن اس نے اس کا جواب سنا تھا یا نہیں۔

"ضروری نہیں کہ اظہار زبان سے ہی ہو۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔"

"رباب۔"

"ہوں"

"تم نے کبھی محبت کی ہے ؟"

"شاید ہاں۔"

اپنے دھیان میں گم وہ اس کی بے چینی محسوس ہی نہ کر پائی۔

"جذبے کونپلوں کی طرح سر اٹھا رہے تھے کہ میری بات علی سے طے ہو گئی۔ جینا اور مرنا ہمارے اختیار میں کہاں کچھ کہنے کی نوبت ہی کہاں آئی تھی۔"

رباب نے جلد ہی خود کو کمپوز کر لیا اور سڑک پر کھڑی لڑکی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

تم اتنا جو مسکرا رہے ہو
کیا غم ہے جس کو چھپا رہے ہو

کتنی گہری 'بھید بھری لڑکی تھی۔ نیچے آکر بھی کتنی دیر وہ اس کے متعلق سوچتی رہی۔ خوب صورت آواز کے ساتھ اس کا دل بھی قطرہ قطرہ پگھلنے لگا۔

پھول بھرے ہیں دامن دامن
لیکن ویراں گلشن گلشن
عقل کی باتیں کرنے والے
کیا سمجھیں گے دل کی دھڑکن
کون کسی کے دکھ کا ساتھی
اپنے آنسو اپنا دامن
لیکن ویراں گلشن گلشن
پھول بھرے ہیں دامن دامن
تیرا دامن چھوڑوں کیسے
تیری دنیا تیرا دامن
پھول بھرے ہیں دامن دامن

☼ ☼ ☼

"فاطمہ نے تبریز کے لیے تمہارا عندیہ لیا ہے اس کی ساس آنا چاہتی ہیں۔"

انہوں نے ٹھہر کر اس کے چہرے کا جائزہ لیا بیگ تیار کرتے اس کے ہاتھ ایک دم رکے تھے۔

"تمہارے ابو اور میں دونوں اس حق میں نہیں

ایک گھر میں دو بیٹیاں دینا کبھی ہمارے خاندان میں ہوا نہیں۔ فاطمہ کو میں نے سلیقے سے منع کر دیا ہے ان کے آنے پر انکار کچھ اچھا نہ لگے گا ویسے بھی تبریز کی نوکری۔"

بیگ ایک طرف رکھ کر وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"تمہاری دوست ناجیہ کا فون آیا تھا۔"

"ناجیہ!"

اس نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا ناجیہ نام کی لڑکی سے کبھی اس کی دوستی نہ رہی تھی۔

تسبیح پڑھتے انہوں نے ذرا سا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"کہہ رہی تھی اسکول میں پڑھاتی ہے 'وین میں ملاقات ہوئی تھی۔"

"ہوں !کیا کہہ رہی تھی۔" اسے وہ باتونی سی لڑکی یاد آئی۔

"اس کا ٹرانسفر لاہور ہو گیا ہے 'کہہ رہی تھی کسی دن آؤں گی۔"

"مجھے بھی نمبر دیا تھا 'مگر مجھے یاد نہیں رہا کسی دن فون کروں گی۔"

فون کرنا اسے ہمیشہ ہی مشکل لگا کرتا بہت ضروری فون بھی وہ مجبوری کی حالت میں ہی کرتی تھی اس کی دوستوں کو اس سے یہی گلہ رہتا۔

"ہماری ہی کاسٹ کے لوگ ہیں۔"

"کون ؟"

"یہی ناجیہ لوگ۔"

"اچھا! مجھے تو معلوم نہیں 'ایک ہی تو ملاقات ہوئی ہے اس سے۔"

ناجیہ کی فرینک ہونے والی عادت کا تو اسے اندازہ ہو گیا تھا اس لیے حیران نہ ہوئی۔

"کسی دن اپنی امی کے ساتھ ہمارے گھر آئے گی۔"

"اسے یہ تو علم ہی ہے کہ میں ہاسٹل میں ہوتی ہوں۔"

اسے حیرت ہوئی۔

"وہ مجھ سے ملنے آرہی ہیں۔"

"آپ سے۔"

"ہاں تمہارے لیے اپنے بھائی کی بات کی ہے 'اس نے۔"

"کیا؟" وین میں ملاقات ہوئی اور دوسری بار فون پر رشتہ مانگ لیا کتنی عجیب بات ہے امی 'کوئی ضرورت نہیں اسے گھر بلانے کی ویسوں میں رشتے تلاش کرتی پھرتی ہیں۔"

"نہ تو ایسا کیا برا کر دیا اس نے جو تم اس کی برائیاں گنوانے لگی ہو 'بات ہی تو کی ہے۔ دیکھنے میں حرج بھی کیا ہے۔"

بیٹیوں کی ماں تھیں نا اس لیے نامناسب بات بھی نظر انداز کر گئی تھیں۔

"پھر بھی امی مناسب نہیں لگتا۔"

"کیا اسی خیال سے وہ مجھ سے سب پوچھ رہی تھی تاکہ بعد میں پرپوزل لے کر پہنچ جائے۔ میں ہی بے وقوف تھی اس کے پوچھنے پر سب کچھ بتانے لگی۔"

"بیٹا! تم تو ایسے کر رہی ہو۔ جیسے میں نے رشتہ طے کر دیا ہے۔ وہ لوگ آئیں گے 'ہم بھی دیکھیں گے اگر مناسب ہوا تو ٹھیک ورنہ ہماری بیٹی ہمارے گھر 'ان کا بیٹا ان کے گھر۔

پھر رشتہ کروانے والیاں بھی تو رشتے کرواتی ہیں۔ ایسی کون سی انوکھی نرالی بات ہے جو تمہیں پتنگے لگ گئے ہیں۔"

امی کے کہنے پر وہ خاموش تو ہو گئی تھی مگر اسے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"نا معلوم کیسے لوگ ہیں۔"

سارے خیالات سر سے جھٹک کر اس نے تکیہ منہ پر رکھا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

باقی مرحلے اتنی جلدی طے ہوئے کہ اسے کچھ سوچنے کا موقعہ ہی نہ ملا تھا۔ نوشیرواں کے لیے ہاں کرتے امی 'ابا دونوں بہت مطمئن تھے اور ان کی یہ طمانیت اس کے اندر بھی سکون بھر دیتی۔ ہر ہفتے ناجیہ آدھمکتی 'رابعہ سے بھی دو تین بار ملاقات ہوئی تھی 'اس کی ساس بہت سوبر خاتون تھیں۔

* * *

دونوں طرف سے شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں پھر وہ دن بھی آپہنچا جب وہ پیلے کپڑوں میں پھولوں کا زیور پہنے سرسوں کا پھول لگ رہی تھی گھر کو چھوڑ جانے کا تصور کئی بار رُلا چکا تھا۔ امی سے لپٹ کر روتے اس نے کئی لوگوں کو رلایا تھا۔

خوب صورتی، معصومیت اور ہنر مند ہاتھوں کے کمال نے اسے الوہی روپ عطا کیا تھا۔ رباب اسے کئی بار سراہ چکی تھی۔

"زیمان تمہارا نام تو گھنی ہونا چاہیے۔ کیسے چپکے چپکے سب کچھ کرلیا کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی، چٹ منگنی پٹ بیاہ میں بھی کچھ ٹائم لگتا ہو گا تم نے تو اس سے بھی زیادہ جلدی دکھائی۔ لیکن آج تجھے سات خون بھی معاف، لگ ہی اتنی پیاری رہی ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتی۔ آج نوشیرواں بھائی کی خیر نہیں۔"

رخصتی کے خیال سے سنجیدہ و رنجیدہ۔ وہ اس کے انداز پر مسکرادی۔

روتے روتے وہ رخصت ہو کر گاڑی میں بیٹھی تھی جب اس کی ساس نے اسے ساتھ لگا کر تھپکا تھا۔

"نہ رو میری دھی اپنے گھر ہی تو جارہی ہے۔"

آگے پیچھے کئی گاڑیاں پورچ میں رکی تھیں۔ ناجیہ اس کے لہنگے کو سنبھال کر اسے اترنے میں مدد دے رہی تھی جب ایک خاتون ناجیہ کو ڈانٹنے لگیں۔

"اے ناجیہ کیا باؤلی ہوئی ہے دلہن کیا خود چل کر اندر جائے گی۔"

زیمان جو اتنے لوگوں کو اپنے اردگرد دیکھ کر پہلے ہی گھبراہٹ کا شکار ہو رہی تھی بوکھلا کر فوراً" پاؤں کو دوبارہ اندر کرلیا۔

"تو کیا مجھے اٹھانے کرین آئے گی۔"

اس طرح کی سچویشن میں بھی اس کی سوچ کے رنگ نرالے ہی تھے۔

"پاؤں زمین پر مت دھریے گا میلے ہو جائیں گے۔"

شریر سی آواز پر سب کا قہقہہ اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"نوشیرواں کو بلاؤ، وہی تو اٹھا کر لے جائے گا، دلہن کو اندر۔"

انہی خاتون کی آواز نے اسے سوچوں کے گرداب سے نکالا تھا ان کا پیش کیا ہوا مضحکہ خیز طریقہ اس کے ہاتھ گیلے کر گیا۔ گھبراہٹ کے مارے بے ہوش ہونے کو تھی ایسا تو اس نے خواب و خیال میں بھی نہ سوچا تھا (اتنے لوگوں کے سامنے) اسے سوچ کر ہی شرم آنے لگی۔

کھینچ کھانچ کر نوشیرواں کو بھی وہی خاتون لائی تھیں۔

"طیبہ بھابھی چھوڑیں بھی، اب یہ رواج کہاں اچھے لگتے ہیں۔"

ینگ پارٹی ہاہا ہو ہو کے نعرے لگا رہی تھی کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ اپنی ساس کی متین و سنجیدہ آواز پر اس نے اٹکا سانس سینے سے خارج کیا۔

تکیے سے ٹیک لگا کر اس نے کمرے کا جائزہ لیا ہلکے سبز رنگ کی کلر اسکیم سے مزین کمرہ، آرام دہ صوفہ، بیڈ روم فریج، دیوار گیر الماری، بیڈ اور اس کے گرد جھومتی پھولوں کی لڑیاں کمرے کو سادگی و دلکشی کا مظہر ثابت کررہی تھیں۔ اس کی تھکی کمر اکڑ چکی تھی جب کلاک نے ساڑھے تین بجنے کا اعلان کیا۔ اس نے اپنی بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولا، سارے دن کی تھکاوٹ نیند کے ساتھ ساز باز کر کے اسے غافل کرنے کو بے تاب تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا، جھکا سر مزید جھک گیا سرخ کپڑوں کی گٹھڑی لرزتی کانپتی بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ کر آنکھیں موند گئی۔

کافی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولی تھیں جھکا سر اٹھا کر اسے دیکھا جو صوفے پر بیٹھا سگریٹ کے کثیف دھوئیں میں گھرا کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اردگرد اتنا دھواں پھیل چکا تھا کہ اسے

سانس لینے میں دشواری ہونے لگی، روکتے روکتے بھی اسے زور کا پھندا لگا۔ چونک کر وہ سیدھا ہوا اور وہ اس کی طرف آیا۔

"آپ میرے گھر والوں کی پسند ہیں، مجھ سے کسی قسم کی توقع عبث ہے ویسے بھی توقعات تکلیف ہی تو دیتی ہیں۔"

سنجیدہ و گمبھیر آواز نے کمرے کی پراسرار خاموشی پر دھاوا بولا تھا۔ انگلیوں میں دبا سگریٹ لیے وہ قریب ہی تھا اس نے ذرا سا سر اٹھا کر اسے دیکھا جو سوچوں کا جہاں آباد کیے اسے ہی تک رہا تھا۔

"ایسی معصومیت ہی تو دھوکا دیتی ہے۔ خوب صورت اور معصوم چہروں کے پیچھے کیسے بھیانک کردار چھپے ہوتے ہیں کوئی مجھ سے پوچھے، ایک بار، صرف ایک ہی بار..... بار بار نہیں، بالکل نہیں۔"

اس نے سر جھٹکا اور درمیانی دروازہ کھول کر گم ہو گیا اور وہ کتنی دیر غیر یقینی کیفیت میں ہی بیٹھی رہی۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنے لودیتے ٹیکے کو چھوا، لرزتی نتھ کے موتی، مڑی پلکوں والی بھوری آنکھیں، ننھے تل سے مزین قاتل خم والے ہونٹ کچھ بھی تو نظر انداز کرنے والا نہ تھا وہ خوب صورت لگ رہی تھی۔ آئینے کی گواہی اس کے لیے کافی تھی مگر آئینہ قسمت کا حال تھوڑی بتاتا ہے۔

کتنا سینت سینت کر رکھا تھا اس نے اپنے آپ کو، اپنے جذبوں کو، نازک آبگینے جیسے دل کو، کسی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا تھا، کئی لوگوں کو بے قدری سے جھٹک کر آج وہ کس منزل پر کھڑی تھی جس کے ہر طرف بند گلیاں تھیں ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کو چکنا چور کردینے کی خواہش دل میں لیے، آہستگی سے سب کچھ اتار کر اس نے واش روم کا رخ کیا

بہت سی عورتیں اس کے گرد جمع تھیں۔ سرگوشی نما آواز اتنی بلند تو ضرور تھی کہ بہت سی عورتوں کو متوجہ کر گئی۔

"آپا دلہن تو بہت خوب صورت ہے..... مگر استانیوں کے بارے میں سنا ہے ہر ایک پر رعب جمانے کی کوشش کرتی ہیں۔" مخاطب اس کی ساس تھیں، جنہوں نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرے لیے استانیاں کون سی نئی ہیں، رابعہ اور ناجیہ بھی تو اسکول میں پڑھاتی ہیں۔"

ان کے ٹوکنے پر عورت شرمندہ ہو کر آئیں بائیں شائیں کررہی تھی۔

"زیمان یہ تمہاری آنٹی نصرت اور ان کی بیٹی رحمانہ ہیں، یہاں قریب ہی رہتی ہیں۔"

انہوں نے شکنوں بھری پیشانی کے ساتھ تعارف کی رسم نبھائی۔

ناجیہ اور رابعہ دونوں گھروں کو جا چکی تھیں۔ اس بڑے گھر کی خاموش فضا سے مانوس ہونے میں اسے زیادہ عرصہ نہ لگا تھا۔ امی کو اس نے ہر طرح مطمئن کیا تھا۔ اس نے تین ماہ کی چھٹیاں لے رکھی تھیں وہ بور ہونے لگی سارا دن بڑے بڑے کمروں میں چکرانا اس کا مشغلہ تھا۔ اماں کے منع کرنے کے باوجود ضروری کیس کا کہہ کر وہ لاہور جا چکا تھا۔

"اس ہفتے آئے تو سہی کان کھینچتی ہوں اس کے، سب پارٹی کے لیے فون کر رہے ہیں اور اس کے ضروری کیس ہی ختم ہونے میں نہیں آرہے۔ بھلا ایسے بھی کسی نے کیا ہے۔" خدیجہ بیگم کی محبت اکثر اس کی آنکھیں بھگو دیتیں وہ ان کے قریب بیٹھ کر ان کا بازو دبانے لگی۔

"میرے بازو کو کیا ہوا ہے، تو آرام سے بیٹھ میرے پاس۔ تجھے دیکھ کر آنکھوں کو سکون ملتا ہے جتنی رب نے شکل سوہنی بنائی ہے گن اس سے بڑھ کر ہیں، اللہ بخشے نوشیرواں کے ابا یہی کہتے تھے رب کے چنگے سے متھا لگائے، تجھے دیکھتے تو کتنے خوش ہوتے انہیں تو نوشیر کا دکھ لے ڈوبا۔"

وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر آنٹی نصرت اور رحمانہ کی آمد پر پوچھ نہ سکی۔

"نوشیر کا دکھ، نوشیر کا دکھ لے ڈوبا ایسا کیا دکھ ہے نوشیر کا۔"

سوچوں میں غلطاں زیمان وہاں سے اٹھی تھی، ہفتے

کے دن آنٹی اور بیٹی کی آمد نوشیر کے آنے کی بدولت ضرور ہوتی ' نصرت آنٹی کی تنقید اور رحمانہ کی کتر کتر چلتی زبان ' آنکھوں کے اشارے اور اٹھلا اٹھلا کر چلنا اسے ایک آنکھ نہ بھاتا اماں بھی انہیں کچھ خاص پسند نہ کرتی تھیں۔

✵ ✵ ✵

دن کے تیسرے پہر اس کا آنا ' گھر بھر میں زندگی دوڑا گیا تھا۔ اس کے آنے سے ایسی ہی رونق آجاتی تھی۔ یا اسی کا وہم تھا اماں کی خوشی سے لبریز آواز ' شاداں کا دوڑ دوڑ کر کام کرنا اسے بھی چاق و چوبند کر دیتا۔ اماں کے دروازے کی جانب نریمان کے بڑھتے قدم رک گئے۔

"دیکھ اس کے آنے سے کیسی رونق آگئی ہے تو کیوں محسوس نہیں کرتا۔ اس ہفتے اسے ساتھ لے جا۔"

وہ دروازے سے ہی لوٹ آئی۔ اس کا مبہم رویّہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

وہ ایک ابر آلود دن تھا۔ بادلوں نے دن میں رات کا سماں پیدا کر دیا تھا۔ کالی گھٹائیں چاروں اور برسنے کے لیے تیار تھیں ' ملگجا اندھیرا ماحول کو نیم تاریک کیے دے رہا تھا اماں اپنے کمرے میں سو رہی تھیں۔ بے کل اداس پھرتی وہ اسٹڈی کی طرف آئی جہاں ہر طرف قانون کی موٹی کتابوں کی بھرمار تھی۔

"وکیل صاحب کی لائبریری بھی ان کی طرح خشک ہے۔" اس نے سوچا اور ایک شیلف میں اپنے مطلب کی کتابیں دیکھ کر اسے انبساط کی لہروں نے گھیر لیا۔ ممتاز مفتی کی "الکھ نگری" اٹھاتے اس کی ساری اداسی اڑن چھو ہو گئی تھی بانو قدسیہ کی "دوسرا دروازہ" اور "حوا کے نام"۔

اردگرد سے بیگانہ ہونے میں دیر نہیں لگی۔ وقت گزرنے کے احساس سے بے نیاز کتنی دیر وہ کتابوں میں منہمک رہی۔ کتابیں واپس رکھتے ہوئے اس کی نظر چمکتے کور والی سیاہ ڈائری پر پڑی اس نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر کھولی ' بالکل خالی ڈائری میں سے صفحہ اور کارڈ نکل کر پھسلے تھے۔

بہت ممکن ہے
میری راہ میرے پاؤں کے
کانٹے نکل جائیں
جہاں اب ریت اڑتی ہے
وہاں تازہ گلابی پھول کھل جائیں
میرے رستے میں آنے والے
سب پتھر پگھل جائیں
جو دیکھے ہیں سنہرے خواب
تعبیروں میں ڈھل جائیں
یہ رات اور دن بدل جائیں
اندیشے سارے ٹل جائیں
یہ سب عین ممکن ہے
اگر تم مجھ کو مل جاؤ!
بہت خالی ہے دل کی ٹہنی
آؤ
اس کی اک تازہ کونپل بن کے کھل جاؤ
بہت تنہا ہے صحرا زندگی کا
تب نہیں ہوگا
اگر تم مجھ کو مل جاؤ

"نوشیر! نظم تمہارے لیے ہے۔ سمجھ سکو تو سمجھ لو مجھ کو ' میری چپ اظہار بھی ہے۔ اب میری چپ ' چپ کہاں ہے۔"

ساکت و جامد نظم کے لفظوں میں کھوئی وہ اردگرد سے بیگانہ ہو چکی تھی دروازہ کھول کر وہ کب اندر آیا۔ اسے احساس ہی نہ ہو سکا۔ رحمانہ کی تیز آواز پر اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ نوشیرواں ' رحمانہ اور آنٹی نصرت اسٹڈی میں آچکے تھے۔ جلدی سے کارڈ اور ڈائری اپنے پیچھے چھپایا مگر نوشیر کی تیز نظروں نے فوراً" بھانپ لیا۔ بلیو جینز اور لائیٹ اسکائی کلر کی شرٹ پہنے بکھرے بالوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا عین اس کے سامنے آن رکا۔

"آپ ادھر کیوں آئی ہیں۔" ٹھنڈے لہجے میں

دریافت کیا۔ اس کی نظروں کی غیر معمولی چمک اسے بدحواس کرنے لگی رحمانہ اور آنٹی کے سامنے اس طرح کا استفسار اسے شرمندہ کر گیا تھا وہ . وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی مگر زمین اس کے قدم جکڑے ہوئے تھی۔ اس گھڑی وہ اسے زہر سے بھی برا لگا تھا۔

"کیا ہے آپ کے ہاتھ میں۔ دکھایئے۔"

ایک قدم اور آگے بڑھا کر وہ اس کے بالکل قریب تھا ' دلفریب پرفیوم کی مہک اس کے حواس پر چھانے لگی ' شرمندگی سی شرمندگی تھی پلکوں پہ دھرا انا معلوم بوجھ اسے پلکیں اٹھانے نہ دیتا تھا اس کی بازپرس ان دونوں کو محظوظ کر رہی ہے۔ یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

اصرار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

یکدم اس نے سر اٹھایا۔ کالی گھور آنکھوں میں دیکھ کر اس نے ایک ہی جملہ کہا تھا۔

"آپ کے محبت نامے۔"

ڈائری اور کارڈ اس کے ہاتھوں میں تھما کر وہ وہاں رکی نہیں تھی۔

✵ ✵ ✵

گاؤں میں رات جلدی ہو جاتی تھی۔ دوپہر کی لگی جھڑی نے سناٹے کو مزید گہرا کر دیا تھا۔ سردی کی شدت میں اضافہ ہو چکا تھا اماں رات کا کھانا کھا کر نماز پڑھنے میں مشغول تھیں۔ شاداں اپنے کوارٹر میں جا چکی تھی۔ سٹنگ روم میں دھنسی وہ ڈاکومنٹری فلم دیکھنے میں محو تھی۔ بارش کی ہلکی آواز ' تیز چلتی ہوا کی چنگھاڑ سے بھرپور لطف لیتی وہ چائے کے سپ لے رہی تھی۔ شام کو ہونے والی بدمزگی سے سراسیمہ اندر جانے سے ہچکچا رہی تھی۔ بیٹھے بیٹھے ساڑھے بارہ ہونے والے تھے۔

"اب تک اسٹڈی میں جا چکا ہوگا۔"

نرم گرم بستر کی خواہش لیے ہولے ہولے قدم اٹھاتی وہ دہلیز پر رکی اور دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں ملبوس ________ وہ کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھا (انگلیوں میں دبے سگریٹ کے ساتھ شاید وہ خود بھی سلگ رہا تھا)

آج ابھی تک یہ ادھر ہی ہیں۔" اس نے سوچا۔

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بالوں میں برش کرتے اس کا دھیان مکمل طور پر اسی کی طرف تھا۔

فائل ایک طرف رکھ کر اس نے نریمان کی طرف قدم بڑھایا اس کی جان ہوا ہونے لگی۔ اس کی کلائی کو زور سے جھٹکا دے کر اسے اپنے مقابل کیا آہنی ہاتھ کی گرفت سے اسے کلائی ٹوٹتی محسوس ہوئی اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ بھینچے لب ' قہر برساتی نظریں لیے وہ اس کی جان پر بنا گیا تھا۔

"میرے اردگرد آگ لگا کر کس قدر پرسکون ہیں آپ ' اندازہ ہے آپ کو کیا کیا ہے آپ نے۔"

پانیوں سے بھری آنکھیں چھلکنے کو بے قرار تھیں۔ اس نے بازو چھڑانے کی ناکام کوشش کر ڈالی جو اسے اور بھی مشتعل کر گئی۔ لمبے بال بکھر کر چہرے کے اطراف پھیل گئے تھے۔ جرح کرتا وہ اسے عدالت میں کھڑا لگا اور خود کو کٹہرے میں محسوس کر کے آنسو گال بھگونے لگے۔

لرزتی پلکوں سے موتیوں کا بوجھ اٹھانا ممکن نہ رہا۔ چند قطرے اس کے ہاتھ پر گرے تھے۔ باہر بارش کی کن من جاری تھی۔ موبائل کی بیپ نے اس کے ارتکاز کو منتشر کیا۔ اسکرین پر چمکتا یاور علی دیکھ کر اس کی کلائی جھٹکے سے چھوڑ کر یس پریس کیا۔ اس نے بھاگ کر واش روم میں پناہ لی۔

"وعلیکم السلام کیسے ہو یار۔

ہاں ابھی گاؤں میں ہوں ' سب ٹھیک ہیں۔ تم سناؤ ... بھابھی بچے ' سب ٹھیک ہیں۔

اچھا کیس ؟

نہیں وہ تو آکر ہی ڈسکس کروں گا تم سے۔ نہیں ابھی تیار نہیں کیا۔

ہاں ہاں ایک دو دنوں تک۔

خدا حافظ۔"

موبائل بیڈ پر پھینکا کتنی دیر منتشر ذہن اور منفی سوچوں میں گھرا اسی طرح بیٹھا تھا۔ منفی سوچوں کا ہجوم

اس کے گرد تھا۔ شادی کی تصویر پر نظر گاڑے وہ بے چین ہو اٹھا۔

"بے وفا عورتیں، محبت، وفا کچھ نہیں ان کے لیے دوسروں کو چارے کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔"

نریمان کو دیکھ کر ایک بار پھر وحشت سوار ہوئی تھی۔

"میں آپ کو پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ اب دوبارہ کہہ رہا ہوں، میرے معاملات میں مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں بار بار میں اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔"

ٹھنڈے پانی کے چھینٹے آنکھوں پر ڈال کر اس نے اندر کی تپش کو کسی حد تک کم کیا تھا خود کو کمپوز کرنے میں دیر لگی اس کے نوکیلے جملوں نے آن واحد میں اسے فرش پر لا پٹخا۔

"آپ کر کیا سکتے ہیں۔"

"وعدے کسی سے، محبت کسی سے اور شادی کسی اور سے، دوسروں کی زندگیاں تباہ کرنے کا ٹھیکہ آپ ہی کو تو ملا ہے اور اس بات پر آپ کو کسی قسم کا کوئی افسوس بھی نہیں۔" آخر کو وہ بھی انسان ہی تھی کہاں تک خاموش رہتی۔

غصے سے بھینچے لب، کھلتی بند ہوتی مٹھیاں اس کے ضبط کی گواہ تھیں ماتھے کی رگ بار بار پھڑک رہی تھی، جارحانہ تیوروں سے اس کی جانب بڑھ کر یکدم اسے دیوار کی طرف دھکیلا تھا۔

"شٹ اپ! جسٹ شٹ اپ" اس کی دھاڑ سے وہ لرز ہی تو گئی اتنی اونچی آواز اس نے کہاں سنی تھی۔ زندگی کی تلخیاں اس جیسی حساس لڑکی کے لیے کچھ ایسی نئی نہ تھیں مگر اپنی زندگی کا نیا آغاز اس نے ایسا کب سوچا تھا، دھڑ سے دروازہ بند کر کے وہ وہاں رکا نہیں تھا۔

اماں کی باتیں سنتے وہ، ان کے سر میں تیل لگا رہی تھی۔

"ہمارے محلے میں ایک عورت ہوا کرتی تھی سب اسے مس خالہ کہتے تھے بیوہ تھی جوانی میں کسی اسکول میں پڑھاتی تھی اس لیے لوگ بچوں کو اس کے پاس پڑھنے بھیج دیتے تھے ناجیہ، نوشیر سے دو سال بڑی ہے یہ دونوں بھی مس خالہ کے پاس جاتے تھے۔ گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں۔ بیگ ان کے پاس ایک ہی تھا دوسرا ابھی لے کر نہیں دیا تھا۔ دونوں اکٹھی کتابیں ڈال کر لے جاتے۔" بچپن کے واقعات سناتے اماں کے چہرے پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ تھی جیسے منظر تازہ ہو گیا ہو۔

"ایک دن کیا ہوا آدھے راستے نوشیر نے بیگ اٹھایا۔ جب ناجیہ کی باری آئی تو اس نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور کتابیں نکال کر چلنے لگی۔ نوشیر نے بھی ایسا ہی کیا۔ بیگ پھینک کر اپنی اپنی کتابیں لے کر گھر آ گئے، میرے پوچھنے پر نوشیر نے ساری بات بتائی تھی۔"

شفاف موتی لڑیوں کی صورت آنکھوں سے رواں تھے۔ وہ ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھی۔ وہ اچانک وہاں آیا تھا۔ روتی ہنستی آنکھوں والی لڑکی اسے بارش اور دھوپ چھاؤں کا منظر یاد دلا گئی۔ اس کی بے ریا ہنسی کتنی شفاف، سچی اور کھری تھی اسے دیکھ کر وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ وہ بھی گڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

"رک کیوں گئے بیٹا آؤ نا۔"

اماں نے اسے آواز دی تھی۔

"نریمان کو تمہارے بچپن کے واقعات سنا رہی تھی۔"

سر جھکائے خاموش بیٹھا وہ ماں کو سن رہا تھا۔

"ٹالی والی زمین کے پیسے بنک میں جمع کروا دیے ہیں۔ منشی جی کو سب سمجھا دیا ہے۔ اس کے ساتھ والی زمین پر سیم و تھور بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ فصل کے قابل تو اب رہی نہیں میرے دوست کا مشورہ ہے اس پر فیکٹری لگائی جائے، میں بھی سوچ رہا ہوں اس بارے میں، آپ کا خیال ہے۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو، تمہیں ہی سب کچھ کرنا ہے۔"

"کل میں جا رہا ہوں اماں اگلے ہفتے شاید نہ آ سکوں۔" انہیں بتا کر اندر کا رخ کیا۔

"نریمان تم بھی اپنی پیکنگ کر لینا اب تم اس کے

ساتھ ہی جاؤ گی۔" اماں کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے آگے بڑھتا ــــ وہ پیچھے مڑا تھا۔

"اماں اگلے ہفتے، اس ہفتے تو بہت کام ہو گا۔"

اس کی جھنجھلاہٹ عروج پر تھی جسے نریمان اور اماں دونوں نے محسوس کیا۔

"ہاں اماں اگلے ہفتے چلیں گے، آپ بھی تو ساتھ چلیں گی نا۔" نریمان نے اس کے منہ کے بگڑتے زاویوں کی وجہ سے بات بنائی۔

"نہیں ہمیں تو ابھی نہیں جا رہی مگر تم اس کے ساتھ ہی جاؤ گی۔"

"بہن جی (نریمان کی امی) کا فون کئی بار آ چکا ہے ناجیہ بھی تم لوگوں کی دعوت کرنا چاہتی ہے۔"

حتمی انداز میں بات ختم کر کے انہوں نے کمرے کا رخ کیا تھا۔ اس کی اٹھا پٹخ اس کی بے چینی کی غماز تھی۔ بغیر اسے کچھ کہے اس نے بیگ میں کپڑے رکھے تھے۔

☼ ☼ ☼

لاہور پہنچتے پہنچتے رات گہری ہو گئی تھی گھر کے سامنے گاڑی روک کر وہ اس کے اترنے کا انتظار کرنے لگا۔ عثمان اسے زبردستی اندر لایا تھا۔ ان کے اصرار پر اسے کھانے پر رکنا پڑا تھا۔ کھانے کے بعد اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو ابا نے روک لیا۔

"نہیں بیٹا اتنی رات گئے آپ کا جانا مناسب نہیں ہے۔" یہ رات اسے یہیں گزارنی تھی۔

لائٹر کے شعلے پر نظریں گاڑے وہ ماضی کے دھند لکوں میں کھویا ہوا تھا۔

بہت اہم کیس کی تیاری کر کے رات وہ بہت دیر سے سویا تھا مگر صبح دیر سے اٹھنے کے سبب، سب کچھ غلط ہوتا چلا جا رہا تھا ناشتا کیے بغیر عجلت میں گاڑی نکالی۔ بند اشارے نے اسے کوفت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اشارہ کھلتے ہی اس نے گیئر بدلا اور گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ وہ اچانک دائیں موڑ سے سامنے آئی تھی، ٹکر زوردار تو نہ تھی مگر بیگ اور فائلیں اس کے ہاتھ سے دور جا گریں، غلطی اس کی تھی یا نہیں مگر وہ پریشان ضرور ہو گیا تھا۔ بیگ اور فائلیں اسے تھماتے وہ شرمندہ تھا۔

"اندھے ہیں، یا گاڑی پہلی بار چلا رہے ہیں۔"

خشمگیں نگاہوں سے گھورتی وہ سر تا پا سلگ رہی تھی۔

"پیدل چلنے والوں کو آپ جیسے لوگ کیڑے مکوڑے سمجھتے ہیں۔"

"محترمہ میں آپ سے سوری کر چکا ہوں دوبارہ یہی کہوں گا غلطی آپ کی بھی ہے، سڑک پار کرتے وقت آپ کو بھی دیکھنا چاہیے تھا۔" اس کے ٹھنڈے، پرسکون، مہذب لہجے نے اسے پرسکون کیا۔

"شکر ہے خدا کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔"

"آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔"

"بہت شکریہ میں خود چلی جاؤں گی۔"

طنزیہ کہتی وہ چلنے لگی۔ صبیح چہرہ تپا تپا سا تھا۔ بالوں کی شریر لٹیں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ صنف مخالف میں اس کی دلچسپی کبھی بھی نہ رہی تھی۔ بہت سی لڑکیوں نے اس کی طرف پیش قدمی کی تھی مگر اس کی ریزرو طبیعت کی بدولت کسی کو بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ اس لڑکی کے انداز پر کچھ دیر وہ وہیں کھڑا رہا۔

☼ ☼ ☼

"بیٹا تم خوش تو ہو نا۔"

کوئی چوتھی بار امی یہی سوال اس سے پوچھ چکی تھیں اور اس نے انہیں مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔

"میں بہت خوش ہوں۔ آپ کو نہیں لگتا، امی اتنی اچھی ہیں۔ رابعہ اور ناجیہ سے بھی بہت دوستی ہے۔ نوشیر کسی معاملے میں نہیں ٹوکتے۔"

ہولے سے کہتے ہوئے اس کا دل استہزائیہ اس پر ہنسا، انہیں مطمئن کرتے دل نے کتنی دہائیاں دی تھیں۔

"اندروں رووداں تے اتوں ہساں' تے کسے نو کی دساں۔"

کی مثل اس پر صادق آتی تھی۔ عمر' عثمان اور ابا سے باتیں کرتے' وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔

"وقت بہت زیادہ ہو گیا ہے' سو جاؤ جا کر۔"

امی کہہ کر اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ زیرو پاور کے بلب کی مدھم روشنی میں وہ محو خواب تھا۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اس نے اپنے کمرے پر نظر دوڑائی' بیڈ' الماری' بک ریک' کرسیاں سب کچھ ویسے کا ویسا تھا' بدل تو وہ گئی تھی اس کی زندگی بدل گئی تھی۔ نوشیر کے سانسوں کی ہلکی آواز نے اسے اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔ کشادہ پیشانی پر بکھرے کالے بال' کھڑی ناک' بھرے بھرے ہونٹ' گندمی رنگت مردانہ وجاہت کا نمونہ اس سے کتنے قریب اور کتنے فاصلے پر تھا۔ دل میں اٹھتے عجیب احساسات سے گھبرا کر اس نے نگاہ پھیر لی۔

نوشیر کی آنکھ سسکیوں کی آواز پر کھلی تھی۔ ذرا سا سر گھما کر اس نے بیڈ کے دوسرے کنارے کو دیکھا۔ کسی برے خواب کے زیر اثر اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ چہرے پر دکھ' اذیت اور تکلیف کے تاثرات دیکھ کر اس نے بے اختیار ہی ہمدردی میں ہاتھ بڑھایا۔

"کیا ہوا ہے۔"

اس کے ہلکے سے ہلانے پر وہ روتی ہوئی اس سے لپٹ گئی' دھڑکنیں ہم آہنگ ہوئی تھیں۔ وہ یک دم ہوش میں آ کر اس سے الگ ہوئی چہرہ خفت سے سرخ ہو چکا تھا۔

اس کے نازک مگر بھرپور سراپے نے اس کے دل میں ہلچل مچا دی۔ جذبات کی یورش اور خیالات کی تپش سے گھبرا کر اس نے سگریٹ سلگایا اور اس کے بعد ساری رات آنکھوں میں کٹی۔

اپنی اضطراری اور بے اختیاری پر وہ کتنی دیر شرمندہ ہوتی رہی۔ خود کو سرزنش کرتے' اس کی سوچوں میں وہ پر حدت حصار اور تحفظ در آیا تھا۔

نوشیر کی اس سے دوسری ملاقات بس اسٹاپ پر ہوئی تھی' اس کی گاڑی یاور کے پاس تھی اور وہ لوکل وین کے دھکے کھا رہا تھا وہ اسے پہلی نظر میں ہی پہچان چکا تھا۔ وہ بھی اسے پہچان چکی تھی اور اسے اسٹاپ پر کھڑے دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

"اوہ اب سمجھی' مانگے کی گاڑی تھی اس لیے چلانی بھی نہیں آ رہی تھی۔"

اس کی قیاس آرائیوں نے اسے زیر لب مسکرانے پر مجبور کیا۔

"ہاں ایسا ہی تھا۔"

وہ بھی شرارت پر آمادہ تھا۔

"کرتے کیا ہیں آپ۔"

"وکالت۔"

"کس کی۔"

ایک دم شرارتی مسکراہٹ لیے شرارتی لہجے میں اسے چھیڑ گئی۔

"آپ جیسے لوگوں کی۔"

برجستگی اس کی فطرت تو نہ تھی مگر اس لڑکی کو چھیڑنے میں اسے مزا آنے لگا۔

اس کے جواب نے اسے ہنسا دیا تھا۔ پھر یہ ملاقاتیں روز ہی ہونے لگیں۔ زریں کی والدہ کے سوا اس کا دنیا میں کوئی نہ تھا۔ کسی دفتر میں کام کرتی تھی۔ زریں سے شادی کا فیصلہ سراسر اس کا اپنا تھا۔ جس پر کسی نے بھی اختلاف نہ کیا تھا۔

کچھ ہی مہینوں بعد وہ اس کی زندگی میں بہار بن کر آئی تھی' مگر بہار کے تعاقب میں خزاں اس سے کتنی قریب تھی اسے علم نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

کتنے دنوں بعد وہ اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ بلیک ستاروں اور سرخ آنچل سے مزین ساڑھی اس کے بھرپور مگر نازک سراپے پر بہت جچ رہی تھی۔ کتنی بار ناجیہ فون کر کے اسے ساڑھی پہن کر آنے کو کہہ چکی تھی اسے یہ پہناوا ہمیشہ ہی بے اعتماد کر دیتا مگر مجبوری

تھی' نوشیرواں اسے تیار ہونے کا کہہ کر ابھی تک نہ آیا تھا۔ ٹہل ٹہل کر ٹانگیں شل ہو رہی تھیں۔ نازک سینڈل اس کے دودھیا پاؤں میں خوب صورت لگ رہے تھے لمبے بالوں کا جوڑا بنائے عام دنوں سے مختلف لگ رہی تھی۔ گاڑی کے ہارن پر تیزی سے اٹھی' قالین سے الجھی اور میز سے ٹکرا کر زمین بوس ہو گئی۔

کتنی دیر ہارن دینے کے بعد اپنی چابی سے دروازہ کھولتے اس کی جھنجلاہٹ عروج پر تھی سٹنگ روم کے بیچوں بیچ وہ آڑی ترچھی پڑی اس کے حواس گم کر گئی۔ رخسار کو ہلکے سے تھپتھپایا۔ نبض اور دھڑکن چیک کی اور پھر بازوؤں میں اٹھا کر گاڑی میں ڈالا۔

"فکر کی بات نہیں ینگ مین' جلدی ٹھیک ہو جائیں گی سر کی چوٹ اور خون بہہ جانے سے بے ہوش ہیں میں نے ٹانکے لگا دیے ہیں' میڈیسن بھی لکھ دی ہے اب آپ انہیں لے جا سکتے ہیں۔"

گریس فل سے ڈاکٹر نے تسلی آمیز انداز میں اس کا کندھا تھپتھپایا اور باہر نکل گیا۔ اسے ہوش میں آتا دیکھ کر اس نے اس کی طرف رخ کیا۔

"معمولی سی چوٹ ہے ٹھیک ہو جائیں گی۔"

کتنا اپنائیت بھرا انداز تھا۔ وہ ساکت نظروں سے اس کی جانب تکتی رہی۔ بیٹھتے ہی ایک ٹیس سی یہاں سے وہاں تک گئی تھی حوصلہ کر کے اٹھنے کو تھی کہ چکرا کر گرنے لگی جب تیزی سے اس نے سہارا دیا ساڑھی کا پلو سلیقے سے کندھوں پر پھیلاتا وہ اس کے کتنے قریب تھا ایک ہاتھ کمر اور ایک کندھے پر رکھے وہ اسے گاڑی تک لایا ٹی وی لاؤنج کا صوفہ اس کا ہمدم' ہمدرد اور غم خوار اپنی بانہیں پھیلائے اس کا منتظر تھا۔ صوفے پر لیٹ کر اس نے آنکھیں موند لیں۔

"اندر بیڈ پر چلیں۔"

نرم آواز میں اسے مخاطب کرتا وہ اس کے قریب ہی تھا۔

"مجھے یہیں لیٹنا ہے۔"

"میں کہہ رہا ہوں نا اندر چل کر لیٹیں آڑا ترچھا لیٹنے سے ٹانکے کھل جائیں گے۔ ناجیہ کو فون کر دوں'

وہ پریشان ہو رہی ہو گی۔"

تیز آواز میں اسے کہہ کر وہ سیل فون کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

انجکشن کے زیر اثر وہ جلد ہی غافل ہو گئی تھی۔ سیل آف کر کے وہ پلٹا' ٹھٹھک کر رکا اور قدم وہیں جم گئے۔ سیاہ رات کے آنچل سے طلوع ہوتا چاند اور ننھے منے ستارے' ان کی تابناکی اور روشنی نے اس کی توجہ کو ایک ہی نکتے پر مرتکز کیا تھا۔ اس کے جاذب نقوش نے کتنی دیر اسے وہاں سے ہٹنے نہ دیا۔ ایک بازو سر کے نیچے رکھے وہ نیند میں بھی اذیت میں تھی۔ نرمی سے بازوؤں میں اٹھا کر بیڈ تک لایا' اس کی ہٹ دھرمی اسے تپا گئی تھی۔

زوردار کھٹکا اسے نیند سے بیدار کرنے کا موجب بنا لیٹے لیٹے اس نے اسے وارڈ روب میں گھسے دیکھا۔ اپنا آپ بیڈ پر دیکھ کر وہ متحیر ہوئی تھی ساتھ ہی رات کے واقعات ایک فلم کی طرح اس کے دماغ کی اسکرین پر چلنے لگے۔

ناجیہ نے اگلا سارا دن اس کے پاس ہی بتایا تھا۔

"خبردار جو اٹھنے کی کوشش کی' دیکھو چہرہ کتنا پیلا ہو رہا ہے' بے جی کو ابھی بتایا نہیں ورنہ وہ بھی یہاں ہوتیں۔"

"تھوڑی سی تو چوٹ ہے انہیں پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہی تھی وہ پریشان بہت جلد ہو جاتی ہیں۔" ناجیہ نے پرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کامران سکندر کون ہے۔"

تیز لہجے میں کیا گیا سوال اسے سراسیمہ کرنے لگا۔ دولہا بنا وہ عام دنوں سے کتنا مختلف لگ رہا تھا' مگر اس کے چہرے کے تاثرات اسے خوف زدہ کر رہے تھے۔ جذبات کو برانگیختہ کرنے والی حرارت سرے سے مفقود تھی سارے ارمان جذبات' احساسات' بے

قراریاں کہیں جا سوئی تھیں نوشیر کو اگر کچھ یاد تھا تو نوید کے وہ لفظ۔
"یار بھابھی کی شکل میرے کولیگ کی وائف سے بہت ملتی ہے شاید بھابھی کی بہن ہوں گی مگر..... مجھے یاد آتا ہے ان کا نام بھی یہی تھا۔ اب تو ہمارے ڈیپارٹمنٹ سے ٹرانسفر ہو کر جا چکے مگر میں نے ان کی شادی میں شرکت بھی کی تھی اور ان کی دعوت بھی۔"
خار مغیلاں کی طرح زریں کا سانس سینے میں اٹکنے لگا اسے معلوم نہ تھا امتحان کی گھڑی اتنی جلدی آجائے گی۔
"میں کسی کامران سکندر کو نہیں جانتی۔"
اس کی زبان کی لڑکھڑاہٹ اور چہرے پر کھنڈی زردی ایک زیرک وکیل سے چھپی نہ رہی تھی۔
"میری اس سے ابھی ملاقات ہوئی ہے۔"
تیر تو اس نے اندھیرے میں ہی چھوڑا تھا مگر لگا وہ عین نشانے پر تھا۔
"کیا؟"
بوکھلا کر کھڑی ہوتی شاید وہ حواس میں نہ تھی۔
"اب وہ کیا کرنے آیا ہے..... مجھے تو.....؟"
زبان سے نکلے نوکیلے لفظ پتھر کی طرح لگے اور اسے لہولہان کر گئے اس کی عزت کا جنازہ سر راہ ہی نکلا تھا۔
سر تھام کر وہ بیٹھتا چلا گیا۔
اس کی آہستہ و دھیمی آواز شاید کسی کنویں سے آ رہی تھی۔
"وہ میرا ماموں زاد ہے، ہماری پسند کی شادی ہوئی تھی۔ غصے میں ایک دن اس نے مجھے طلاق دے دی اس کی حالت دیوانوں جیسی تھی۔ وہ مجھ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا تھا ایک مولانا نے ایک طریقہ "حلالہ" بتایا جس کے لیے میں بالکل تیار نہ تھی مگر ہماری چھوٹی بچی..... آپ سے ملاقات شعوری کوشش نہ تھی مگر کامران کا بڑھتا اصرار اور ندا کی بگڑی حالت..... پھر میں نے کئی بار آپ کو بتانے کی کوشش بھی کی مگر..... کامران کا کہنا تھا کہ کچھ دنوں بعد آپ سے طلاق لے کر دوبارہ....."

"اٹ از انف۔" اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے وہ شدید صدمے میں تھا۔
"ایک بچی کی ماں، حلالہ، شادی، طلاق۔" اس کا دماغ سوچ سوچ کر شل ہو رہا تھا۔ در و دیوار خود پر ہنستے محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے پھولوں کی لڑیاں پھینکیں، ڈریسنگ کا شیشہ کرچی کرچی کر دیا۔ ایک آگ تھی جو اسے سلگا رہی تھی، تڑپا رہی تھی، جلا رہی تھی۔
"فریبی عورت، تم نے مجھے چارے کے طور پر استعمال کیا، کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا، اپنے مفاد کی خاطر کتنے لوگوں کو دھوکہ دیا تم نے، میں چاہوں تو تمہارے ڈرامے کا اینڈ اپنی مرضی کا کر سکتا ہوں، تمہیں ساری عمر سولی پر لٹکائے رکھوں..... لیکن میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ اسی وقت دفع ہو جاؤ، میری نظروں کے سامنے سے۔"
اسے طلاق دے کر وہ ڈھے سا گیا۔ ارمانوں بھری رات ماتم کدہ بن گئی تھی۔ اس کی زندگی کو اس نے فلم بنا ڈالا تھا۔ اسے مہمانوں سے بھرا گھر یاد رہا، نہ لوگوں کی چہ میگوئیاں اور نہ اگلے دن کا ولیمہ اسی رات وہ لاہور آگیا تھا۔ بیٹے کی بربادی، مہمانوں سے بھرا گھر اور لوگوں کی کاٹ دار زبانیں رب نواز کی جان لے کر ٹلی تھیں۔ دو دن بعد ہی اسے باپ کی موت کا صدمہ جھیلنا پڑا۔

☼ ☼ ☼

"ناجیہ ایک بات پوچھوں۔"
"ہوں۔"
چائے بناتی ناجیہ نے مصروف انداز میں کہا تھا۔
"زرین کون ہے۔"
اس کا چائے بناتا ہاتھ ذرا سا کانپا۔ کپ ایک طرف رکھ کے وہ اس کے قریب آئی۔
"آنٹی نے تمہیں بتایا نہیں۔
ہم نے کوئی بات ان سے چھپائی نہ تھی اور تمہیں بھی بتانے کو کہا تھا۔"
آہستہ آواز میں اسے بتاتی وہ اس کے حواس گم کرنے لگی نوشیر کی ذات کے اسرار اس پر کھلنے لگے

بھید بھری ذات کی پرتیں تہہ در تہہ اس کے سامنے تھیں۔
"امی نے مجھ سے کیوں چھپایا۔" اس نے سوچا اس کی شادی کے دنوں میں فاطمہ سے امی کی گفتگو، اس کی ازلی بے نیازی، کچھ نہ جاننے کی خواہش، اسے افسوس ہونے لگا۔
"بھائی عورت ذات سے متنفر ہو چکے تھے۔ مگر امی کے اصرار پر۔" اس کا آدھا جملہ اسے مکمل مفہوم سمجھا گیا تھا۔

"یار کتنی بار تجھے کہا ہے بھابھی کو لے کر کسی دن گھر آ۔ نادیہ کئی بار پوچھ چکی ہے۔ کسی دن خود آکر لے جاؤں گا۔"
یاور ایسی ہی دھونس سے بات کیا کرتا تھا۔ آخر اکلوتا دوست تھا اور دوستی بھی کئی سالوں پر محیط تھی۔
"یار! تجھے کچھ بتانے کی ضرورت ہے، دیکھ تو رہا ہے کیسا پھنسا ہوا ہوں پیشیاں بھگت کر میری تو خود مت ماری گئی ہے، تجھے پھر بھی شکایت ہے۔"
یاور کو یقین دلانا اور مطمئن کرنا کافی مشکل تھا اس نے اسے پر سکون کرنے کی کوشش کی۔
"لیکن یار کسی دن تھوڑا ٹائم نکال، نادیہ کو اگر میں کچھ دن باہر نہ لے کر جاؤں تو جان کھا لیتی ہے میری بھابھی کچھ نہیں کہتیں۔
ہاں یاد آیا، آیا تو کام سے تھا تمہاری طرف شکر ہے وقت پر یاد آیا۔ نادیہ کی ایک سہیلی ہے اسے تجھ سے کچھ مشورہ کرنا ہے بڑی دکھی عورت ہے بے چاری۔ شوہر صاحب شادی کے سال بھر بعد بھی کسی اور کی محبت کا دم بھر رہے ہیں۔ اس سے بالکل لاتعلق ہی سمجھو شادی کے دن سے الگ الگ، اب وہ بے چاری اس سے الگ ہونا چاہتی ہے، کسی دن لاؤں گا تمہارے پاس۔"
سب کچھ بتا کر اس نے اس کی طرف دیکھا جو سوچوں، خیالوں میں کھویا اس سے بے نیاز لگ رہا تھا۔
"تم سن رہے ہو نا میری بات۔"
"ہاں، ہاں سن رہا ہوں۔"

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل

★ گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے،
★ نئے بال اُگاتا ہے
★ بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے
★ مردوں عورتوں اور بچوں کے لیے یکساں مفید
★ ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔
"سوہنی ہیئر آئل"
12 جڑی بوٹیوں کا مرکب
قیمت /60 روپے
ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے ایک شیشی کی قیمت صرف /60 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں
ایک شیشی کے لیے ـــــ /80 روپے
2 شیشیوں کے لیے ـــــ /140 روپے
3 شیشیوں کے لیے ـــــ /210 روپے
نوٹ! اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں
منی آرڈر بھیجنے کے لیے ہمارا پتا:
بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ سیکنڈ فلور ایم اے جناح روڈ کراچی
دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان پتوں سے حاصل کریں
بیوٹی بکس 53 اورنگزیب مارکیٹ سیکنڈ فلور ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبۂ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی فون نمبر 7735021

وہ چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"لیکن یار ایسے کیسز میں ڈیل نہیں کرتا ہم جانتے تو ہو۔"

"جانتا ہوں مگر مشورہ تو دے سکتے ہو نا۔"

اس کے لیے بہت سی سوچوں کے در وا کر کے وہ وہاں سے اٹھا تھا۔

لائٹر جلاتے بجھاتے اس کا رویّہ بے چینی کا غماز تھا۔ نریمان کئی بار اسے دیکھ آئی تھی مگر اسے احساس ہی نہ ہو سکا۔ سٹنگ روم میں بیٹھا وہ مسلسل کئی گھنٹوں سے ایک ہی نکتے پر سوچ رہا تھا۔ کچن میں چائے بناتے وہ اس کی غائب دماغی محسوس کر چکی تھی۔ اس سے ہمدردی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ساری بات کھلنے پر کئی پردے اس کے سامنے سے سرکے تھے۔ دھوکے اس کے ایمان کو متزلزل کر چکا تھا۔ اب اسے اس کے اعتماد کو بحال کرنا تھا۔ بااعتبار بنانا تھا خود کو۔

"چائے لے لیں۔"

ہاتھ میں تھاما کپ اس کی جانب بڑھایا جسے اس نے تھام لیا۔

خود کچن میں بیٹھ کر اس نے چائے ختم کی باقی کے کام نمٹاتے وہ مسلسل اس کی نگاہوں کے حصار میں تھی۔ اس کی نگاہوں کی تپش اسے پزل کر رہی تھی۔ نظریں اس پر ٹکائے وہ صوفے پر نیم دراز تھا۔ دراز چوٹی سے نکلی آوارہ لٹیں، صندلیں رخسار، سرو قد، گھنیری پلکیں اور خوب صورت خم والے ہونٹ کچھ بھی نظر انداز کرنے والا نہ تھا۔ اس جیسا حقیقت پسند مرد بھی حقیقت سے نظریں چرائے منزل کے راستے تلاش کر رہا تھا۔ منزل تو اس کے بالکل سامنے تھی، مگر انا نے ہاتھ روک رکھے تھے۔ یا ور اس کے لیے سوچوں کے در وا کر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بھائی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

ناجیہ بہت دنوں بعد آئی تھی۔ نریمان کچن میں مصروف تھی، اس لیے وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ سوالیہ انداز سے اس کی طرف دیکھتا وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"ایک عورت کو دیکھ کر آپ نے سب عورتوں کو اسی کیٹگری کا سمجھ لیا۔ سب لوگ ایک جیسے ہوتے ہیں؟ نہیں نا، جب سب لوگ ایک جیسے نہیں تو عورتیں ایک جیسی کیسے ہوئیں میں، رابعہ، اماں ہم بھی تو عورتیں ہیں.... آپ تو دوسروں کو مشورے دیتے ہیں، مسائل سمجھاتے ہیں میری سمجھ آپ سے تھوڑی سہی مگر حقیقت آپ کے سامنے ہے، کتنے مہینے ہوئے اسے یہاں آئے ہوئے آپ سے وابستہ ہوئے اس نے کبھی شکایت نہیں کی۔ آپ کا رویّہ سب کے سامنے ہے۔ آپ انتقام کس سے لے رہے ہیں؟ اس سے، جو آپ کے ماضی کے بارے میں جانتی تک نہیں آپ کے ناروا سلوک کے باوجود ایک سلوٹ اس کی پیشانی پر نہیں آئی۔ دوسروں کو انصاف دلاتے دلاتے کیا خود اس سے بری ہو گئے۔ اس گناہ کی سزا دے رہے ہیں، جو اس نے کیا ہی نہیں۔"

اس کی صاف گوئی نے بہت سے پردے اٹھائے تھے منظر یہاں سے وہاں تک روشن ہوا تھا۔ ایک فیصلہ کر کے وہ مطمئن ہو گیا۔

اسے کالج جاتے کئی دن ہو گئے تھے۔ کالج سے آ کر اماں سے باتیں اور اگلے دن کی تیاری اسے مصروف رکھتی اماں سے باتیں کرتے، کچن کا پھیلاوا سمیٹتے کافی دیر ہو گئی تھی مگر کمرے میں اسے براجمان دیکھ کر بے چینی اور گھبراہٹ ہونے لگی۔

"اب تک تو اسے اسٹڈی میں چلے جانا چاہیے تھا۔"

لیکن موٹی کتاب میں غرق وہ اردگرد سے بے نیاز سا تھا۔ اس کے اٹھنے کا انتظار کرتے کرتے وہ صوفے پر ہی بیٹھ گئی۔ نوشیر کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ اسے سلگا گئی۔ وہ دروازے کی جانب بڑھی، جب اس کی آواز نے قدموں کو روک دیا۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔"

"لیکن مجھے کچھ سننا نہیں۔"

"لیکن مجھے تو ضرور سنانا ہے۔"

وہ اس کے شانوں پر ہاتھ دھرے، دھیرے سے اسے صوفے تک لایا، وہ ابھی تک اس کی مسکراہٹ اور نرم آواز کے سحر سے آزاد نہ ہو سکی تھی۔

"آپ کی یہ لگاوٹ مجھے زہر لگ رہی ہے۔ جب دل چاہا دھتکار دیا اور جب دل چاہا......"

جذبات کی شدت سے وہ جملہ مکمل نہ کر سکی تھی اتنے آنسو نہ جانے کہاں سے آ گئے تھے۔ وہ کمزوری دکھانا نہیں چاہتی تھی مگر آنکھیں اس کا پردہ رکھنے سے انکاری تھیں۔ بھاگ کر دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا تھا۔ رحمانہ کی ہنسی وہ کچن میں بھی سن رہی تھی آج اس کی چہکار ہی نرالی تھی بڑے دنوں بعد نوشیر سے ملاقات جو ہوئی تھی۔

"اتنے دنوں بعد آئے ہیں، یہاں کوئی کتنا اداس ہوتا ہے آپ کو کیا پتا۔"

اٹھلا اٹھلا کر نوشیر سے شکوہ کرتی وہ اسے تپا گئی تھی۔

اب کے اس کی ہنسی میں نوشیر کا قہقہہ بھی شامل ہو گیا تھا۔ چائے اس کے سامنے پٹخ کر وہ برآمدے میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیسے قہقہے لگ رہے ہیں، میرے سامنے تو ہر وقت مرچ کی تصویر بنے رہتے ہیں۔"

اس کا روٹھا روٹھا انداز دیکھ کر اسے تپانے میں اسے اور بھی مزا آنے لگا۔ اماں سویرے سے ساتھ والے گاؤں گئی ہوئی تھیں۔ کسی کے گھر تعزیت کرنے۔ بڑی مشکل سے ہی بلا ٹلی تھی وہ بھی اٹھ کر اندر آ گئی۔

نوشیر کتنی دیر رحمانہ اور اس کا موازنہ کرتا رہا تھا۔ باحیا پاکباز عورت کا کردار اس کی گواہی ہوتا ہے۔ کوئی رشتہ نہ ہوتے ہوئے بھی رحمانہ کیسے اس کے آگے پیچھے پھرا کرتی اور وہ جو اس کی شرعی و قانونی بیوی تھی اس نے حق رکھتے ہوئے بھی کبھی اسے سمجھانے کی کوشش نہ کی تھی۔

"بیٹے رابعہ کی نند کی شادی ہے اسلام آباد میں، تم دونوں کو بہت اصرار سے بلایا ہے، مجھ سے تو اتنا سفر ہوتا نہیں نریمان کو لے کر تم چلے جاؤ پھر شادی کے بعد تم دونوں کہیں نکلے بھی تو نہیں ہو۔"

اماں کی طبیعت کچھ خراب تھی اس نے اماں کے نہ نہ کرنے کے باوجود بستر ان کے کمرے میں لگا لیا تھا۔

"اب اتنی بھی بیمار نہیں ہوں کہ تم میری پٹی سے لگی رہو۔" لیکن وہ مان کر ہی نہ دی۔

☼ ☼ ☼

اماں کے مجبور کرنے پر ہی وہ اس کے ساتھ اسلام آباد آنے پر آمادہ ہوئی۔

رات کی خاموشی اور اس کی نظروں کی گستاخیاں اسے زچ کر رہی تھیں جب اچانک کسی گاڑی کے ٹائر قریب چرچرائے تھے۔ گاڑی ان کا راستہ روکے کھڑی تھی۔

"وکیل صاحب کتنی بار آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہمارے پھڈے میں ٹانگ نہ اڑائیں مگر آپ کو

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے
نئے ناول
شائع ہو گئے ہیں
آج گگن پر چاند نہیں
مصنفہ: رضیہ جمیل
قیمت 180/- روپے
تم آخری جزیرہ ہو
مصنفہ: آمنہ ریاض
قیمت: 150/- روپے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار کراچی

خدائی فوجدار بننے کی کچھ عادت سی ہو گئی ہے ' ہے نا؟ ہماری بات مان لیتے تو قصہ ہی ختم 'لیکن خیر کب چھڑوا رہے ہیں رشید ٹنڈے کو آپ؟"

"ابھی نہیں۔"

وہ جو کوئی بھی تھا ہاتھ میں پستول لیے نوشیر کو دھمکا رہا تھا۔

"یار بابو ترس نہیں آتا تجھے اپنی بیوی پر اتنی سی عمر میں بیوہ ہوتی بھلا اچھی لگے گی۔"

خباثت سے اس کی طرف دیکھتا وہ نوشیر کی کنپٹیاں سلگا گیا تھا نوشیر کی پشت سے لگی وہ تھر تھر کانپ رہی تھی بغلی ہولسٹر سے پستول نکالتے نوشیر نے یکدم ہی فیصلہ کیا تھا۔ چوکنا بدمعاش بھی اس کے ہاتھ کی حرکت دیکھ چکا تھا فائر ہوا۔ وہ یکدم آگے آئی تھی 'مگر نوشیر اسے اور خود کو بڑی پھرتی سے بچا گیا تھا۔ موڑ دے پولیس کی گاڑی کا سائرن کہیں قریب ہی سنائی دیا تھا انہوں نے بھاگنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس سے لگتی وہ ہچکولوں کی زد میں تھی۔

"کون تھے یہ لوگ؟"

"تھے کچھ کرم فرما۔"

"آپ نے ایسا کیا کیا ہے۔"

کانپتے ہوئے وہ سوال پر سوال کیے چلی جا رہی تھی۔

"رشید نے قتل کیا ہے اس کے خلاف کیس بہت مضبوط ہے یہ لوگ اسے چھڑانا چاہتے ہیں۔"

"بہت خطرناک تھے یہ لوگ۔"

"ہاں لیکن حق بات کرنے کے لیے کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں" تھوڑی دیر پہلے کے واقعے کا اس پر کوئی اثر دکھائی نہ دیتا تھا پرسکون لہجہ 'مسکراتی آنکھیں اسے ہشاش بشاش ظاہر کر رہے تھے۔

"ویسے میں ان کا شکریہ ادا کرنا تو بھول ہی گیا۔"

اس نے نا سمجھ میں آنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"ابھی رشید کے حواریوں کا 'اگر وہ نہ آتے تو مجھے کیسے علم ہوتا کہ مسز نوشیرواں تو اپنی جان کا نذرانہ بھی دے سکتی ہیں 'کیسے جان کی پروا کیے بغیر فوراً" سامنے آئی تھیں۔ دور دور بھاگنا بھی بس دکھاوے ہی کا ہے ورنہ تمہاری جگہ تو یہیں ہے ' ہے نا۔"

اس نے اپنے کشادہ سینے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

اس نے جھینپ کر نظریں جھکالیں۔

"ویسے تو تم نہ قریب آتی ہو نہ آنے دیتی ہو۔ قریب آؤں تو دور بھاگتی ہو ایسے کچھ واقعات ہوتے رہنے چاہئیں تاکہ دو دل ایک لے پر دھڑکتے رہیں۔"

اس کے اس بے باک انداز نے اسے کانوں کی لوؤں تک سرخ کر دیا تھا۔ دوپٹے کو انگلی پر لپیٹتی موڑتی وہ باہر اندھیرے مناظر پر نگاہیں جمائے بیٹھی تھی گاڑی میں اس کی گمبھیر و سنجیدہ آواز ابھری۔

"جب مشکلیں اور تکلیفیں آتی ہیں تو ان کا چھوٹا سا دھبا آپ کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے 'لیکن ہم وہ دھبا پھیلا کر اتنا وسیع کر لیتے ہیں کہ وہ ہمارے اختیار میں نہیں رہتا 'پھر وہی دھبا ہمارا حکمران ہوتا ہے ہم پر بادشاہی کرتا ہے۔ کائنات کا سارا حسن و جمال 'طاقت نزاکت 'حسن اس دھبے کے پیچھے کہیں گم ہو جاتا ہے ایک ایسا ہی سیاہ دھبا میری زندگی کے کینوس کے رنگ اڑا لے گیا۔ لیکن شکر ہے کہ میں نے اس کینوس پر دوبارہ رنگ بھرنے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ اس دھبے کو چھوڑ کر کینوس کا باقی حصہ اپنے سامنے کیا ہے۔ جہاں میں اپنی مرضی سے رنگ بھر سکتا ہوں۔

کیا تم رنگ بھرنے میں میرا ساتھ دو گی؟"

بڑی خوب صورتی سے اس نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی سب کچھ کہہ دیا تھا اب منتظر نگاہیں اس کے چہرے پہ تھیں اس نے ہاتھ بڑھایا۔ زمان نے ہاتھ تھامنے میں دیر نہیں کی۔

رات اگرچہ گہری سیاہ تھی۔ مگر دن اتنا ہی روشن ہو گا۔ وہ جانتی تھی۔

☆ ☆ ☆